اُجلے من کے لوگ

قدرت اللہ شہزاد

اُجلے مَن کے لوگ

قدرت اللہ شہزاد

ستلج پبلیکیشنز بہاولپور

Marfat.com

جملہ حقوق حق مصنف محفوظ

باراول	....	ستمبر 2000ء
سرورق	....	طارق عمر خان
کمپوزنگ	....	منصور عمر خان
ناشر	....	خالدہ رفعت
مطبع	....	زاہد بشیر پرنٹرز لاہور
قیمت	....	100 روپے

ستلج پبلیکیشنز ، زنانہ ہسپتال روڈ بہاولپور

فون نمبر: 0621-875334 فیکس نمبر: 92-0621-874554

Marfat.com

اپنی بھابی کے نام

جن کی تحریک پر

میرے مضامین نے کتابی صورت اختیار کی

Marfat.com

ترتیب

نمبر شمار		صفحہ نمبر
	حرف آغاز	
1۔	حضرت قاضی عظیم الدینؒ	9
2۔	حضرت حاجی احمد بخشؒ	15
3۔	حضرت میاں عبدالشکور	33
4۔	حضرت مولانا محمد احمد انصاری	40
5۔	حضرت علامہ نور احمد قاسمی	66
6۔	حضرت پیر جی سید شریف الرحمٰن	73
7۔	حضرت علامہ محمد عبداللہ	91
8۔	حضرت قاری سید عبدالعلیم	104
9۔	حضرت حافظ محمد سعید	110
10۔	حضرت شیخ دین محمد	116
11۔	حضرت ڈاکٹر عبدالرشید	125
12۔	حضرت پیر جی قاری سید عبدالقدیر	135
13۔	حضرت حکیم حسن محمد	144

Marfat.com

حرف آغاز

میں اکثر سوچتا تھا کہ ہمارے شہر بہاولپور کے اہل اللہ ایک ایک کر کے ہم سے بچھڑتے جاتے ہیں، ذاتی تشہیر کو پسند نہ کرنے والے ان درویشوں کی زندگی اور سیرت پر تحریری ریکارڈ نہ ہونے کے برابر ہے، ہماری آئندہ نسلیں ان کی عظمت سے آخر کس طرح واقف ہوں گی اور ان کے کردار کی روشنی آئندہ زمانوں میں کس طرح منتقل ہو گی۔

میں نے سوچا کہ میں اپنی مختصر سی زندگی میں جن اہل اللہ کو دیکھ رہا ہوں اور ان سے ایک قلبی رشتہ بھی استوار ہے کیوں نہ ان پر حسبِ توفیق کچھ لکھوں اور نمود و نمائش سے دور اور تشہیر سے احتراز کرنے والے ان اصحابِ جلیلہ کی زندگی کے کچھ حصے تحریری طور پر مجسم کر دوں۔

اسی خیال کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے چھ سال قبل سعی شروع کر دی لیکن کام بہت محنت طلب تھا۔ کیونکہ اللہ والے اپنے بارے میں بتاتے ہوئے کتراتے ہیں۔ وہ اسے شخصیت پرستی پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس عمل سے بڑائی اور تکبر کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

اللہ والے عام روحانی شخصیات کی طرح نہیں ہوتے جن کے گرد ایسے مریدین اور خدمت گاروں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے جو خوش اعتقادیوں کا شکار ہوتے ہیں لہٰذا ایسے افراد کا ملنا ہی مشکل تھا کہ جو ان بزرگوں کے بارے میں صحیح معلومات فراہم کرتے۔ ان مشکلات کے سبب مجھے اپنا منصوبہ ناکام ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ سوچا کام کا آغاز تو کرو جو کچھ ہو سکے صحت معلومات کے ساتھ لکھ ڈالو۔ لہٰذا میرے یہ مضامین میرے خواب کی عملی شکل تو نہیں البتہ ہلکی پھلکی کوشش ضرور ہیں۔ آپ انہیں خشتِ اول سمجھیے ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ اس کام کو آگے بڑھائیں۔

Marfat.com

بعض بزرگوں نے کمال مہربانی فرما کر میری درخواست کو رد نہیں کیا مجھے اپنے حالات زندگی کے بارے میں آگاہ فرمایا لیکن ان کے فضائل و مناقب میری تحقیق کا نتیجہ نہیں۔

میں نے کسی بزرگ سے ان پر لکھنے کی اجازت طلب نہیں کی البتہ انہیں بتایا ضرور۔ ان میں سے کچھ نے تو نہایت ملتجیانہ انداز میں نہ لکھنے کے لئے اصرار کیا اور ایک دو نے تو قطعاً اشاعت سے منع کر دیا۔ میں ان سب سے معذرت خواہ ہوں کہ میں کسی کی بھی بات کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ اگر میں ان بزرگوں سے ان کا حکم ماننے کا وعدہ کر لیتا تو میرا یہ کام نہ ہو پاتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی کی زندگی میں اسکے بارے میں زیادہ صحیح باتیں لکھی جا سکتی ہیں اگر کوئی غلطی ہو بھی جائے تو اسکی اصلاح ہو سکتی ہے۔

یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ اس کتاب میں شامل بیشتر مضامین مختلف اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔

آخر میں میں ان تمام افراد کا ممنون ہوں کہ جنہوں نے اس نیک کام میں معاونت فرمائی، اس ضمن میں میرے احباب برادرم فضل حمید احمد، پروفیسر منور عثمانی، پروفیسر سید محمد علی رضا، برادرم منصور عمر خان، برادرم طارق عمر خان اور برادرم محمد صدیق بھی شکریہ کا استحقاق رکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اپنے طور پر اس کتاب کی اشاعت میں میری مدد کی۔

قدرت اللہ شہزاد

سادات پورہ

شاہی بازار، بہاولپور

Marfat.com

حضرت قاضی عظیم الدینؒ

آج یہ بات بہت مشکل نظر آتی ہے کہ کوئی ایسا عالم دین ہو جو غیر متنازعہ ہو جس کا احترام ہر مسلک کے لوگ کرتے ہوں اور جس پر ہر عقیدہ کے لوگ اعتماد کرتے ہوں لیکن چند سال قبل تک بہاولپور میں ایسی ہستی ضرور تھی جو ہر طبقے میں مقبول تھی۔ جن کا احترام ہر مسلک کے لوگ کرتے تھے۔

پستہ قد، کمر خمیدہ، چھریرا بدن، بلوریں آنکھیں، کشادہ پیشانی، گندمی رنگت، کھڑی ناک، خوبصورت ترشی ہوئی داڑھی............ یہ تھے حضرت قاضی عظیم الدینؒ۔

قاضی صاحب بہاولپور کی آن تھے، ان کے جانے سے بہاولپور یتیم ہو گیا۔ وہ ایسے بزرگ تھے کہ جنہیں دیکھ کر اور مل کر ایمان تازہ ہوتا تھا۔ وہ جہاں سے گزرتے ہر چھوٹے بڑے کو سلام کرتے جاتے تھے۔ تکبر و نخوت ان سے کوسوں دور تھا اور یہی اللہ والوں کی شان ہے۔ وہ محبت کرنے والے انسان تھے۔ وہ نرم دل، نرم مزاج، نرم زبان، نرم خو، نرم گفتار اور نرم رفتار تھے۔ یوں لگتا تھا کہ وہ نرمے سے بنے ہوئے ہیں۔ ان کے لہجہ میں ملائمت ہوتی تھی۔ ان کی شہد میں گھلی اور پھولوں میں بسی باتوں سے آج بھی بہت سے اذہان مسرور ہیں۔

قاضی صاحب شاہی خطیب تھے۔ نواب آف بہاولپور ان کے پیچھے نماز پڑھنا اعزاز

Marfat.com

سمجھتے تھے۔ وہ عموماً عید کی نماز ڈیرہ نواب صاحب میں پڑھاتے تھے یا پھر بہاولپور کی عید گاہ میں پڑھاتے۔ جمعہ کی نماز جامع مسجد الصادق میں پڑھاتے۔ ان کا خطبہ مختصر ہوتا۔ خطبے کا پہلا حصہ اردو میں ہوتا۔ جس میں دینی مسائل واضح کرتے جبکہ دوسرا حصہ عربی میں ہوتا۔

قاضی صاحب غیر متعصب تھے۔ کبھی بھی ان کی زبان سے ایسی بات نہیں نکلی جس سے امت مسلمہ میں فساد کا اندیشہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شخص ان سے عقیدت رکھتا تھا۔ ان کے اعتدال کے باعث متشدد سے متشدد عالم بھی ان کا وجود برداشت کرتا تھا۔ وہ دیوبندی مسلک سے تعلق رکھتے تھے لیکن میلاد کی محفلوں میں بھی شریک ہوتے اور عید میلاد النبیؐ کے موقع پر نکالے گئے جلوسوں میں بھی شرکت کرتے تھے۔

کوئی بھی شخص قاضی صاحب کو اپنے ہاں تقریب میں مدعو کرتا تو وہ تشریف لاتے۔ بہت سے معزز گھرانے اپنی شادی بیاہ کی تقریبات میں برکت کی غرض سے انہیں مدعو کرتے تھے اور ان سے ہی نکاح پڑھواتے تھے۔ شہاب دہلوی مرحوم کا تقریباً پورا خاندان بریلوی مسلک سے تعلق رکھتا ہے لیکن شہاب صاحب خود اور ان کے خاندان کے دیگر افراد قاضی صاحب کو اپنی تقریبات میں بلانا سعادت سمجھتے تھے۔ شہاب صاحب کے بچوں کے نکاح بھی قاضی عظیم الدین صاحب نے پڑھائے۔ شہاب صاحب اگر چاہتے تو اپنے مسلک کے کسی بڑے عالم دین کو بلوا سکتے تھے لیکن وہ قاضی صاحب کے مقام و مرتبہ سے خوب واقف تھے۔

قاضی صاحب تصویر کھنچوانے سے گریز کرتے تھے شادی بیاہ کے موقع پر جب تصاویر لی جاتیں تو آپ اپنے چہرے پر رومال ڈال لیتے۔ اور وعظ فرماتے کہ دین میں تصویر کشی حرام ہے پھر اسکی سنگینی کا احساس دلاتے۔

قاضی صاحب مطالعے کے عادی تھے۔ وہ اسلامی کتب کے علاوہ ملک کے مؤقر جریدوں کا مطالعہ بھی کرتے تھے۔ انہیں سیاسیات کا گہرا شعور تھا۔ وہ عموماً سیاسی مجالس میں بھی شرکت کرتے تھے۔ تقریباً تمام مذہبی، سیاسی جماعتیں انہیں اپنی تقاریب میں مدعو

Marfat.com

کرتیں۔وہ تشریف لے جاتے۔میں نے انہیں خود جماعت اسلامی، جمعیت العلماء اسلام اور دیگر جماعتوں کی تقاریب میں شریک دیکھا ہے۔ تاہم وہ خود کسی بھی سیاسی جماعت کے رکن نہیں تھے۔

قاضی صاحب حلیم الطبع تھے۔ ان کی قوت برداشت بہت زیادہ تھی۔ اگر کبھی کوئی ان سے درشتی سے پیش آتا تو آپ غصہ نہ کرتے بلکہ نہایت تحمل کا مظاہرہ کرتے۔ عید میلاد النبی ﷺ کے ایک جلوس میں اور زعماء کی طرح آپ بھی بگھی پر سوار تھے۔ جلوس شاہی بازار کے آخری حصے میں پہنچا تو آپ بگھی سے اترنے لگے جس پر اپنے نظریات میں متشدد عالم دین مولانا فیض احمد اویسی نے آپ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر جھٹکا اور سختی سے کہا "کہاں جارہے ہو یہیں بیٹھو" قاضی صاحب نے نہایت دھیمے لہجے میں کہا کہ مجھے پیشاب آرہا ہے اس لئے جارہا ہوں اس پر شہاب دہلوی صاحب نے مداخلت کرتے ہوئے مولانا اویسی سے کہا کہ ان کی مجبوری ہے جانے دیں۔ مولانا اویسی نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ دراصل کمشنر اور دیگر اعلیٰ افسر جلوس کے ہمراہ قیادت کرنے والی بگھی پر سوار ہوتے تھے ان کا معمول یہ تھا کہ بازار کے ختم ہوتے ہی فرید گیٹ پر بگھی سے اتر جاتے اور گھروں کو چلے جاتے۔ مولانا اویسی کا مؤقف یہ تھا کہ جب ساتھ چلے ہیں تو جلوس کے اختتام کے بعد گھروں کو جائیں ورنہ بگھی پر نہ بیٹھیں، مولانا کا کمشنر پر تو بس نہیں چل سکتا تھا وہ اس کے ساتھ گستاخانہ انداز اختیار نہیں کر سکتے تھے لہٰذا اپنا غصہ قاضی صاحب پر اتارا۔ وہ جانتے تھے کہ قاضی صاحب عاجزی کے پیکر ہیں وہ کچھ نہ کہہ سکیں گے۔ اس لئے وہ ترشروئی سے پیش آئے۔

قاضی صاحب علمی تقاریب میں بھی ذوق و شوق سے شرکت فرماتے تھے۔ ایک بار ہم نے تحریک پاکستان کے کارکن حافظ احمد یار کی یاد میں تقریب منعقد کی اس کی صدارت حضرت قاضی عظیم الدینؒ نے فرمائی۔ اس تقریب سے بہاولپور کی سیاسی و علمی شخصیات نے خطاب کیا۔

قاضی صاحب بڑے ظرف کے انسان تھے۔ بعض کم ظرف اوچھے ہتھکنڈے

Marfat.com

اختیار کرتے لیکن قاضی صاحب نے کبھی بھی اپنی اعلیٰ ظرفی پر آنچ نہ آنے دی۔ ہمارے ایک دوست جو کہ ان کے محلّہ میں رہتے تھے ان کی ہمشیرہ کی شادی تھی۔ قاضی عظیم الدینؒ صاحب بھی شریک محفل تھے۔ لیکن اس نے آپ کی موجودگی کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اپنے مسلک کے ایک ادنیٰ سے مولوی سے نکاح پڑھوایا۔ اس کی اس گستاخی پر میرے قریب بیٹھے اس کے ہم مسلک ایک بزرگ نے اس بات کو بری طرح محسوس کیا اور کہا کہ موصوف نے یہ جان بوجھ کر حرکت کی ہے صرف قاضی صاحب کو نیچا دکھانے اور یہ احساس دلانے کے لئے ان مولوی صاحب سے نکاح پڑھوایا ہے کہ میں اپنے مسلک کے ادنیٰ سے ادنیٰ مولوی کو آپ پر فوقیت دیتا ہوں۔ جب کہ قاضی عظیم الدینؒ سے نکاح پڑھوانا باعث برکت اور باعث صد افتخار بات ہے لیکن قاضی صاحب نے اس گستاخی کو قطعاً محسوس نہ کیا۔ آپ صاحب خانہ سے نہایت شفقت سے پیش آئے۔

پورا شہر قاضی صاحب سے عقیدت رکھتا تھا لیکن ایک بہت ہی افسوسناک واقعہ پیش آیا کہ ضیاء دور حکومت میں زکواۃ کمیٹیوں کا چناؤ ہوا۔ محلّہ قاضیاں کی زکواۃ کمیٹی کے چیئرمین کے لئے قاضی عظیم الدینؒ صاحب کے مد مقابل، کردار کے لحاظ سے ایک نہایت ادنیٰ شخص کھڑا ہوا اور منتخب بھی ہو گیا میں سمجھتا ہوں کہ اہل محلّہ کے لئے یہ نہایت بد بختی کی بات تھی کہ انہوں نے ایک ولی اللہ کو نظر انداز کر کے فاسق وفاجر کو منتخب کیا۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ اپنے محلّہ میں غیر مقبول تھے بلکہ محلّہ کے تمام افراد قاضی صاحب کو پوجنے کی حد تک احترام کرتے تھے لیکن ابلیس کو گوارا نہیں تھا کہ ایک ولی اللہ زکواۃ کی تقسیم کرے اس لئے اس نے چکر چلا کر اپنا نمائندہ منتخب کرالیا............................ لیکن قاضی صاحب کی عظمت میں کمی نہ آئی۔

قاضی صاحب زاہد شب بیدار بزرگ تھے ان کے زہد و تقویٰ کے سب معترف ہیں ان کی وفات کے کافی عرصہ بعد ان کے ایک ہمعصر عالم مولانا خان محمدؒ نے مجھ سے کہا تھا۔ "قاضی عظیم الدین بڑے نیک صالح اور صحیح عالم تھے ان کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ

Marfat.com

اپنی آمدنی سے لوگوں کو حج پر بھجواتے تھے۔"

قاضی عظیم الدینؒ کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی ،اس کا اندازہ ان دو واقعات سے لگایا جا سکتا ہے۔ بہاولپور بورڈ آف انٹر میڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن کے سابق چیئر مین سید اشرف علی کی بیٹی کی شادی تھی۔ قاضی صاحب کو نکاح کے لئے بلایا گیا۔ وقت مقررہ پر اشرف صاحب کے بھانجے شاہد رضوی انہیں گھر لینے گئے۔ قاضی صاحب باہر تشریف لائے تو ان کے چہرے پر پژمردگی اور تشویش کے آثار ہویدا تھے۔ جنہیں دیکھ کر شاہد نے ان کی طبیعت کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے فرمایا "میں تو ٹھیک ہوں البتہ گھر میں تکلیف ہے۔" شاہد بتاتے ہیں گرچہ ان کی اپنی طبیعت ٹھیک نہیں تھی لیکن انہوں نے اس کی پرواہ نہ کی بلکہ انہیں اپنی بیوی کی تکلیف کا شدت سے احساس تھا۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ بہاولپور میں شام ہمدرد منائی گئی اس کے مہتمم شہاب دہلوی تھے لیکن تمام انتظام وانصرام ان کے فرزند شاہد رضوی کے ہاتھ میں تھا جو کہ یونیورسٹی میں ریسرچ آفیسر کی حیثیت سے ملازم تھے۔ ایک روز قاضی عظیم الدینؒ صاحب تشریف لائے شاہد تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ "میں پہلے ڈاکٹر جار اللہ صاحب کے پاس گیا تھا کہ مجھے شام ہمدرد کا ایک کارڈ چاہئے تاکہ میں حکیم سعید صاحب کی آمد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی بیمار اہلیہ کو انہیں دکھا سکوں۔" شاہد نے یہ کہہ کر کہ آپ کی تشریف آوری ہی ہمارے لئے بہت اعزاز کی بات ہے ،انہیں کارڈ دے دیا۔ اس واقعے سے بھی بیوی سے محبت کا پتہ چلتا ہے کہ ان کی غرض تقریب میں شرکت نہیں تھی بلکہ بیوی کا علاج کرانا تھا اور وہ اس مقصد کے لئے خاص طور پر خود تشریف لائے حالانکہ فون پر رابطہ کر کے کارڈ حاصل کر سکتے تھے۔

قاضی صاحب شام ہمدرد میں تشریف لائے۔ شہاب صاحب نے ان کی حکیم سعید صاحب سے ملاقات کرائی۔ حکیم صاحب ان سے اتنے متاثر ہوئے کہ بعد میں شہاب صاحب سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ آئندہ شام ہمدرد میں قاضی صاحب کو مہمان خصوصی کی حیثیت سے شریک کیا جائے۔

Marfat.com

قاضی صاحب معاشی طور پر خوش حال تھے۔ نواب آف بہاولپور کی طرف سے دی گئی جائیداد انہیں فکر معاش سے آزاد کئے ہوئے تھی لیکن اس کے باوجود وہ بہت سادہ تھے وہ ہمیشہ صاف ستھرا لباس پہنتے۔ گھر میں عموماً قمیض اور تہمد زیب تن ہوتی۔ جبکہ باہر شلوار قمیض اور سردیوں میں شیروانی پہنتے۔ سر پر جناح کیپ ہوتی۔

قاضی صاحب سے میری چھوٹی چھوٹی کئی ملاقاتیں ہوئیں لیکن رین بسیرا میں شادی کی ایک تقریب میں خاصی دیر ان کی صحبت میں بیٹھنے کا موقع ملا۔ جس کا مزہ آج بھی محسوس کرتا ہوں۔ اس ملاقات کے دوران انہوں نے مجھے بیروت میں ایک عیسائی مشنری کے حوالے سے ایک واقعہ سنایا تھا کہ ایک بڑے مشنری ادارے کے سربراہ سے معروف صحافی ملا واحدی کی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کہ تم اپنے ادارے پر زر کثیر بھی صرف کرتے ہو۔ کیا اس کے نتیجے میں اب تک کوئی مسلمان اپنا مذہب بدل کر عیسائی بھی ہوا ہے؟ پادری نے کہا نہیں، اگرچہ کوئی شخص عیسائی نہیں ہوا لیکن وہ مسلمان بھی نہیں رہے اور یہی ہمارے مشن کی کامیابی ہے............ قاضی صاحب نے فرمایا کہ آج بیروت کی جو حالت ہے وہاں جو بے راہروی ہے وہ عیسائی مشنریوں کی کارگزاری ہے اور یہی کچھ باقی دنیا میں بھی ہو رہا ہے۔

قاضی صاحب آج ہم میں نہیں............ ان کی کمی کو ہر کوئی محسوس کرتا ہے .... کاش ان جیسے چند درویش ملک میں پیدا ہو جائیں تو ملک سے مذہبی انتشار اور بربریت میں کمی واقع ہو جائے۔

Marfat.com

حضرت حاجی احمد بخشؒ

برصغیر پر انگریز راج تھا۔ آزادی کی کوششیں تو ہو رہی تھیں لیکن دور دور تک اس کا کوئی امکان نہیں تھا۔ لاہور کے ایک بزرگ مولانا احمد علی لاہوریؒ ریاست بہاولپور میں جامعہ عباسیہ کے شیخ التفسیر مولانا عبیداللہؒ کے گھر تشریف لائے تو نواحی بستی کا ایک نو عمر ڈاکیا احمد بخش مولانا احمد علی لاہوریؒ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ لیکن طبیعت ابھی سیر نہیں ہوئی تھی لہٰذا کچھ دنوں بعد ہی ایک ہفتہ کی چھٹی لی اور لاہور جانے کا قصد کیا۔ حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں حاضری دی۔ حضرت خوش ہوئے "کتنے دن کی چھٹی ہے؟" بتایا "ایک ہفتہ کی" پھر جونہی ہفتہ گزرا حضرت لاہوری جو کہ احمد بخش کو واحد بخش کہتے تھے، نے کہا اب تمہاری چھٹی ختم ہو گئی ہے لہٰذا واپس جاؤ۔ آپ احمد بخش کو اسٹیشن تک چھوڑنے آئے۔ آپ نے نصیحت کی کہ جب بھی کوئی فیصلہ کرنے لگو کسی نہ کسی سے مشورہ ضرور کرنا اور اگر پسند کرو تو مجھے اس میں شامل کر لینا۔

احمد بخش گھر آگئے لیکن ان کا کسی کام میں جی نہ لگتا تھا۔ طبیعت مضطرب رہتی پھر انہوں نے ایک ماہ کی چھٹی کی درخواست دی، چھٹی مل گئی۔ گھر والوں سے اجازت چاہی۔ والد نے مخالفت کی۔ سب نے کہا کہ یہ اب مولوی بننے لگا ہے۔ البتہ والدہ نے پہلے سمجھایا پھر اجازت دے دی۔ کچھ پیسے بھی دیئے۔ یہ باقی گھر والوں کو کچھ بتائے بغیر لاہور آگئے۔

Marfat.com

حضرت لاہوریؒ نے پھر چھٹی کا سوال کیا۔ بتایا ایک ماہ کی ملی ہے پوچھا "کیا تنخواہ کیساتھ؟" کہا "جی ہاں" پوچھا "کیا گھر والوں سے اجازت لے کر آئے ہو" بتایا "صرف والدہ کسی قدر راضی ہوئی ہیں انہیں ہی معلوم ہے"

ادھر احمد بخش کے گھر والوں کو فکر دامن گیر ہوئی کہ لڑکا نمعلوم کن چکروں میں پڑ گیا ہے ہاتھ سے نکلا جارہا ہے۔ لہٰذا ایک سمجھ دار قریبی عزیز کو اس غرض کے لئے لاہور بھیجا گیا کہ وہ جا کر حضرت احمد علیؒ لاہوری کو سمجھائیں کہ ہمارا لڑکا ناسمجھ ہے آپ اسے "خراب" نہ کریں۔ وہ حضرت لاہوری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ صبح کا وقت تھا۔ حضرت درس قرآن دے رہے تھے۔ احمد بخش اور دوسرے حضرات مستفید ہو رہے تھے۔ آنے والے "قاصد" نے درس سنا تو اس کی قلبی کیفیت میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ وہ مطمئن ہو گیا کہ احمد بخش صحیح جگہ پر آیا ہے۔ پھر وہ احمد بخش کے ساتھ حضرت لاہوری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت خوش ہوئے۔ اسے خصوصی ناشتہ کرایا۔ فراغت کے بعد کہا کہ "مجھے انتظار تھا کہ احمد بخش کا کوئی رشتہ دار آئے اور میں اسے اس کے حوالے کر دوں کیونکہ میرا اندازہ ہے کہ یہ اب یہاں سے جانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔" اسی اثناء میں چھٹیاں ختم ہو گئیں۔ حضرت لاہوریؒ نے احمد بخش سے کہا "اب گھر جاؤ اور اپنے فرائض سنبھالو" احمد بخش نے کہا "میں یہاں سے جانا نہیں چاہتا" آپ نے فرمایا "نہیں اب تمہارا جانا ضروری ہے" چار و ناچار احمد بخشؒ اپنے عزیز کے ساتھ چلا آیا لیکن اس کی طبیعت اکھڑی اکھڑی سی رہنے لگی۔ وہ ہر چیز سے بیزار نظر آنے لگا اس کا جی چاہتا تھا کہ اس کے پر لگ جائیں وہ ابھی اڑ کر اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ سیکھے۔

کچھ دن یونہی گزر گئے۔ اس نے مزید ایک ماہ کی رخصت کی درخواست دی جو مسترد ہو گئی۔ اس دوران اس کی حضرت لاہوری سے خط و کتابت چلتی رہی۔ احمد بخشؒ بار بار حاضری کی اجازت چاہتا۔ آپ ہر دفعہ یہی لکھتے کہ اگر تمہیں تنخواہ کے ساتھ چھٹی ملے تو آنا بصورت دیگر وہیں بتائے ہوئے اوراد و وظائف پڑھتے رہنا اور اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے

Marfat.com

رہنا۔ چھٹی نہ ملنے کے باعث احمد بخش جھنجلایا۔ بڑی سوچ وبچار کے بعد فیصلہ کیا کہ وہ ملازمت چھوڑ کر لاہور روانہ ہو جائے۔ جب اس نے اپنے ارادے کو گھر والوں پر آشکار کیا تو اک بھونچال سا آگیا کیونکہ محنت کشوں کا گھرانہ تھا۔ ذرائع آمدنی محدود تھے۔ احمد بخش کی تنخواہ گھر کی معیشت کو بڑا سہارا دیئے ہوئے تھی۔ سب نے مخالفت کی۔ والدہ نے سمجھایا لیکن احمد بخش کی سمجھ میں نہ آیا پھر ایک روز استعفیٰ دے دیا۔ ڈاک خانے کے سپرنٹنڈنٹ نے سمجھایا۔ پھر احمد بخش کے والد کو بلوا کر وجوہات دریافت کیں۔ باپ نے ساری رام کہانی سنا دی۔ درخواست کی کہ ہم اسے سمجھاتے ہیں آپ استعفیٰ منظور نہ کریں البتہ رخصت دے دیں۔ سپرنٹنڈنٹ نے بات مان لی۔ والد نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ یہ اپنے ارادے سے باز رہے لیکن جب ناکامی ہوئی تو پھر خاندان والوں کے مشورے ہونے لگے۔ سب نے متفقہ فیصلہ کیا کہ اس کی شادی کر دی جائے سیدھا ہو جائے گا۔ اور پھر احمد بخش کی اپنے قریبی عزیزوں میں ہی شادی ہو گئی۔ ابھی شادی کو ایک مہینہ ہی گزرا تھا کہ احمد بخش نے روانگی کے پر تولنے شروع کر دیئے۔ سب نے روکا۔ بیوی کے ذریعہ رکوایا۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنی زندگی بنانا چاہتا ہوں یہ دنیا تو عارضی ہے لہٰذا تم رکاوٹ نہ ہو بلکہ تم اس کار خیر میں حصہ دار بنو۔ بیوی بے چاری کیا کرتی۔ وہ چپ رہی۔ اس نے روانگی کے وقت کچھ رقم دی انہوں نے کہا اسے رکھ لو کیونکہ تھوڑی سی رقم میرے پاس ہے، میری ضرورت پوری ہو جائے گی۔ بہر حال آپ چلے آئے۔ حضرتؒ نے سوال کیا کتنی چھٹی پر آئے ہو؟ آپ خاموش رہے۔ حضرت لاہوریؒ نے پھر پوچھا کہ کتنی چھٹی ہے؟ احمد بخش صاحب نے کہا میں نے استعفیٰ دے دیا ہے۔ انہوں نے کہا یہ تم نے کیا کیا؟ میں نے تمہیں ہدایت کی تھی کہ کوئی بھی فیصلہ کرو تو مشورے کے بعد کرنا۔ تم نے یہ اچھا نہیں کیا۔ پھر احمد بخش صاحب نے بتایا کہ میری شادی کر دی گئی ہے۔ حضرت لاہوریؒ نے کہا کہ اب تم پر اور ذمہ داریاں عائد ہو گئی ہیں لیکن احمد بخش کے مصمم ارادے کو دیکھ کر انہوں نے بھی ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔ ادھر حضرت لاہوریؒ نے احمد بخش کے گھر والوں اور ڈاک خانے کے سپرنٹنڈنٹ سے خط و

Marfat.com

کتابت جاری رکھی جس سے انہیں احمد بخش کی رخصت کا علم ہو گیا۔ جب چھٹیاں ختم ہوئیں تو حضرت احمد علی لاہوری نے کہا "واحد بخش! جاؤ تمہاری چھٹیاں ختم ہو گئیں۔" انہوں نے کہا "حضرت! میں تو استعفیٰ دے کر آیا ہوں" دراصل احمد بخش اپنے طور پر سچے تھے انہوں نے پہلے رخصت کو قبول نہیں کیا تھا اور بتا دیا تھا کہ وہ اب ملازمت نہیں کرینگے۔ وہ یہی سمجھتے رہے کہ ان کا استعفیٰ منظور ہو گیا ہے۔ جبکہ انہیں چھٹی دی گئی تھی جس سے وہ بے خبر تھے۔ احمد بخش تذبذب کے عالم میں تھے کہ حضرت نے کہا کہ پندرہ دن گھر گزار آؤ پھر آجانا کیونکہ بیوی بھی تمہاری ذمہ داری ہے اس کے حقوق کی ادئیگی بھی عبادت ہے۔ احمد بخش چلے آئے۔

حضرت احمد علی لاہوریؒ کا معمول تھا کہ جب بھی احمد بخش روانہ ہوتے تو آپ انہیں چھوڑنے آتے اور زادِ راہ کے لئے کچھ رقم احمد بخش کی جیب میں ڈالتے وہ اتنی ہوتی تھی کہ دوطرفہ کرایہ اس میں ہوتا لہٰذا گھر سے لائی ہوئی رقم احمد بخش گھر لوٹا دیتے قیام وطعام تو تھا ہی حضرت لاہوریؒ کے پاس، اس لئے مزید کوئی خرچہ نہ تھا۔ اس بار حضرت لاہوریؒ نے زیادہ رقم دی کہ اپنی اہلیہ کے لئے کچھ خرید لینا۔ احمد بخش گھر آگئے اور پھر کچھ دن گزارنے کے بعد دوبارہ لاہور چلے گئے یہ سلسلہ چلتا رہا۔ گھر والوں نے بھی مصالحت کر لی کہ یہ اپنی دھن کا پکا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے باز نہیں رکھ سکتی لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس کے راستے میں مزاحم نہ ہوا جائے۔ اسی اثناء میں احمد بخش کے ہاں پہلی بیٹی پیدا ہوئی۔ یہ حضرت احمد لاہوری کی خدمت میں حاضری دیتے رہے اور فیضیاب ہوتے رہے۔

ایک دن حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ حضرت احمد علی لاہوریؒ کے گھر مقیم ہوئے تو حضرت احمد علی لاہوری نے احمد بخش کو بلوایا۔ جن کے دل میں حضرت رائے پوری سے شرف ملاقات کی تڑپ تھی جب احمد بخش گئے تو حضرت احمد علی لاہوری نے ان کا ہاتھ حضرت رائے پوری کے ہاتھ میں دے کر کہا "حضرت! یہ بھی آپ کا بیٹا ہے اسے قبول کر لیں" اور پھر اس طرح احمد بخش صاحب حضرت رائے پوری کے ہاتھ پر بیعت ہو

Marfat.com

گئے۔"[1]

حضرت احمد بخشؒ کے قریبی عقیدت مند ماسٹر مختار راوی ہیں کہ قیام پاکستان سے قبل حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ لاہور تشریف لاتے تو دستور یہ تھا کہ موجودہ پاکستان کے تمام عقیدت مند وہیں آکر مل لیتے تھے۔ احمد بخشؒ بھی لاہور تشریف لے گئے خواہش تھی کہ علیحدگی میں ملاقات ہو جو ابھی زبان پر نہیں آئی تھی کہ حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ نے کہا کہ جو صاحب بہاولپور سے آئے ہیں انہیں بلایا جائے اس طرح آپ کو تنہائی میں ملاقات کا شرف بخشا گیا۔ آپ نے حضرت سے عرض کیا کہ کوئی تحفہ دیجئے گا۔ انہوں نے درود تنجینا پڑھنے کی ہدایت کی۔ آپ نے پڑھنا شروع کر دیا پھر کچھ عرصہ بعد حضرت رائے پوریؒ کا انتقال ہو گیا تو آپ نے پڑھنا چھوڑ دیا۔ حضرت خواب میں آئے کہا کہ آپ نے درود پڑھنا کیوں چھوڑ دیا ہے؟ اسے جاری کیجئے۔ کثرت سے پڑھیں جوں جوں پڑھیں گے عرفان کی منزلیں طے کریںگے۔ آپ نے اس روز سے معمول بنالیا جو کہ آخر دم تک رہا۔

حضرت احمد بخش کی بستی کے پروفیسر عبدالرحمان آپ کی حضرت رائے پوری سے ملاقات کا قصہ کچھ اور بیان کرتے ہیں کہ حضرت رائے پوری گزر رہے تھے۔ احمد بخش صاحب لودھراں ریلوے اسٹیشن پر ملنے کے لئے گئے۔ متمنی تھے کہ ان سے مصافحہ ہو جائے جس میں انہیں کامیابی ہوئی اور سرائیکی زبان میں کہا کہ "میں بہاولپور کا ایک کتا ہوں۔ اور کتا بھی لوسی۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ لوسی کتا بے یارومددگار ہوتا ہے۔ حکومت کے کارندے لوسی کتے کو بے آسرا سمجھ کر مار دیتے ہیں۔ میری خواہش اور استدعا ہے کہ آپ اپنی محبت کا پٹہ میرے گلے میں ڈال دیں تاکہ میں شیطان کے شر سے محفوظ رہوں۔ اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو شیطان مجھ پر کام کر جائے گا۔ اور میں بے موت مارا جاؤں گا۔" حضرت رائے پوری نے دریافت کیا "آپ کیا چاہتے ہیں؟" انہوں نے اپنی بات کو تھوڑے سے تصرف کے ساتھ پھر دہرا دیا اور اپنے ہاں پناہ لینے کی درخواست کی۔ حضرت رائے پوری نے بیعت کی اجازت دے دی۔ پروفیسر عبدالرحمان کہتے ہیں کہ حضرت احمد بخش نے یہ

Marfat.com

واقعہ انہیں خود سنایا۔ اسی طرح ماسٹر مختار بھی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت نے انہیں خود سنایا دونوں حضرات کو حضرت احمد بخش سے قرب حاصل تھا بلکہ ماسٹر مختار سے زیادہ قریب کوئی اور نہ تھا۔ بیعت کے تینوں واقعات مختلف ہیں بعد کے دونوں واقعات میں زمان و مکان کا فرق بھی ہے ہماری دانست میں تیسری روایت ہی بیعت کا اصل واقعہ ہو گی۔ پہلی دونوں روایتیں بعد کی ملاقاتوں کا احوال ہوں گی۔ رہی زمانے کی بات تو راویوں کی یادداشت میں شک کیا جاسکتا ہے۔

حضرت احمد بخش" حضرت داتا گنج بخش" سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ جب بھی رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع میں جاتے تو واپسی پر مزار پر حاضری دیتے، رات قیام کرتے۔ نوافل پڑھتے اور پورا قرآن مجید ختم کرتے۔ اگلی صبح کو واپس آتے۔ آپ فرماتے ہیں "پاکستان کے بادشاہ حضرت داتا گنج بخش" ہیں اور ملتان کے بادشاہ حضرت بہاؤالدین ذکریا ہیں" حضرت احمد بخش کے راز داں ماسٹر مختار احمد تو یہاں تک کہتے ہیں کہ "حضرت داتا گنج بخش" خود کئی بار آپ کے پاس تشریف لائے اور حضرت احمد بخش اولیاء اللہ کے اجلاسوں میں شریک ہوئے" حضرت داتا گنج بخش" سے محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک نامعلوم شخص آیا اور کہا کہ میں حضرت داتا گنج بخش" کے سرہانے پھول رکھ آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں ہوتا تو ان کے قدموں میں رکھتا۔

سالہا سال قبل حضرت احمد بخش نے اپنے قریبی احباب سے فرمایا کہ "بہاولپور میں صرف ایک ہی نلکا ہے جس کا پانی صحیح ہے ورنہ یہاں تو پانی بھی ٹھیک نہیں" کسی نے اس جملہ کی وضاحت نہیں چاہی انہیں اس کا خیال ہی نہ آیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کسی ولی کامل کی طرف اشارہ ہو۔ اگر کوئی پوچھتا تو شاید وہ نلکے کی جگہ یا شخصیت کا نام بتا دیتے.........

ایک بار کہا کہ شاہدرہ بستی کے حاجی محمد رمضان (مرحوم) بڑے مرتبے والے ہیں۔

حضرت احمد بخش عابد شب بیدار تھے۔ وہ تہجد کی نماز کا اہتمام کرتے اگر سفر میں ہوتے تو کسی اسٹیشن پر اتر جاتے۔ تہجد کی ادئیگی کے بعد اپنا سفر کسی اور ذریعہ سے شروع

Marfat.com

کرتے۔ ایک بار رائے ونڈ جا رہے تھے۔ پاکپتن ریلوے اسٹیشن پر تہجد کی ادئیگی کے لئے اتر گئے۔ اپنا سامان ساتھی کے حوالے کر دیا کہا کہ میں بس سے آجاؤں گا۔ آپ فراغت کے بعد بس کے ذریعہ رائے ونڈ پہنچ گئے جب کہ گاڑی قصور پر دیر تک رکنے کے باعث بہت تاخیر سے پہنچی۔ اس طرح آپ کے ساتھی بعد میں پہنچے............ یہ اسی پابندی کا نتیجہ ہے کہ تہجد کی ادائیگی کے فوراً بعد آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے ولی اللہ ہونے میں یہی ایک بات کافی ہے کہ جب سے آپ نے ہوش سنبھالا اس وقت سے لے کر آخر وقت تک آپ کی کوئی تکبیر اولیٰ قضا نہیں ہوئی۔

آپ نماز اتنی خشوع و خضوع سے پڑھتے تھے کہ ارد گرد کا ہوش بھی نہیں رہتا تھا۔ اکثر مسجد کے باہر شور شرابا ہوا لیکن آپ مشغول عبادت ہونے کے باعث بے خبر رہے۔

حضرت احمد بخش کے ہم دیوار حافظ غلام محمد کہتے ہیں کہ میں نے برسوں ان کی عبادت پر نظر رکھی۔ یہ دیکھنے میں آیا کہ دن بدن اس میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ قرآن کریم پڑھنے میں زیادہ وقت صرف ہونے لگا۔ مسلسل مشاہدے کے بعد معلوم ہوا کہ آپ پہلے دن میں ایک قرآن پڑھتے تھے پھر دو پڑھنے لگے۔ کوئی شخص آپ کو قرآن پڑھتے ہوئے دیکھتا تو یوں لگتا جیسے صرف ورق پلٹ رہے ہیں۔ جس سے یہ گمان ہوتا کہ پڑھا نہیں جا رہا بلکہ ورق گردانی ہو رہی ہے۔

مولوی حیات بہاولپور کی مشہور دینی شخصیت تھے۔ حضرت احمد بخش کے ان سے نہایت گہرے اور گھریلو مراسم تھے۔ ان کے لڑکے رحمت اللہ و فیض اللہ حضرت کو چچا کہتے تھے رحمت اللہ کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت نے خود ان سے کہا تھا کہ وہ دس منٹ میں سورہ بقرہ پڑھ لیتے ہیں۔ رحمت اللہ نے کہا "چچا۔ آپ پھر ورق گردانی ہی کرتے ہوں گے۔" انہوں نے کہا "نہیں پڑھتا ہوں"............ یہ بات انسانی فہم سے بالاتر ہے۔ کیونکہ برق رفتار حافظ بہت کچھ عین غین کرنے کے باوجود بھی اتنی تیز رفتاری سے نہیں پڑھ سکتا لیکن آپ تصوف کے اس منصب پر فائز تھے کہ ایک ہی نظر میں سب کچھ سما جاتا تھا۔

Marfat.com

بستی کے ایک شخص کی اندرون سندھ کسی ولی اللہ سے ملاقات ہوئی۔ شکایتاً کہا کہ ہماری بستی کے بزرگ احمد بخش صاحب تو ایسے قرآن پڑھتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہاں وہ بالکل ٹھیک پڑھتے ہیں۔ کراچی کا ایک شخص حضرت احمد بخش کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کے پاس دو تین قریبی اشخاص بیٹھے تھے۔ اس نے آپ کو دیکھ کر بے ساختہ کہا کہ "آپ کا تو رواں رواں قرآن پڑھ رہا ہے" آپ نے یہ سن کر لبوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ شخص خود ولی تھا جس نے دوسرے ولی کی پہچان کی۔ بہر حال آپ کو قرآن سے اتنی محبت تھی کہ اس کا پورا اہتمام کرتے کہیں منزل خراب نہ ہو جائے۔ اسی باعث وہ کہیں آنے جانے سے گریز کرتے۔ ایک شخص کو پریشانی تھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا لگتا ہے کہ قرآن پڑھنا ترک کر دیا ہے۔ نماز باقاعدگی کے ساتھ پڑھو، داڑھی رکھ لو کام ہو جائے گا۔ اس نے ایسا ہی کیا اس کی پریشانی جاتی رہی۔

آپ کے مقام ولایت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک صاحب نے بیت اللہ میں طواف کے دوران آپ کو دیکھا اس نے کئی بار آپ کے قریب جانے کی کوشش کی مگر آپ دور ہو جاتے۔ اس نے آپ کے ایک معتقد کو خط میں سب کچھ لکھ دیا اور سلام بھیجا۔ آپ نے ناپسندیدگی کے ساتھ کہا "تمہارے دوست نے کچھ اچھا نہیں کیا، اسے لکھ کر کون سا تمغہ مل گیا ہے"۔ آپ کی ہر ممکن کوشش ہوتی کہ لوگوں پر آپ کی حقیقت آشکار نہ ہو۔ ایک بار ایک شخص حاضر ہوا کہا، سنا ہے آپ بہت بڑے ولی ہیں۔ آپ مشکل کشا ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اتنی تعریف سن کر آپ نے کہا کہ لوگ غلط کہتے ہیں میں کچھ بھی نہیں ہوں۔

حضرت احمد بخش درود شریف پڑھنے پر زور دیتے تھے۔ آپ خود درود تنجینا کثرت سے پڑھتے۔ فرماتے تھے کہ درود پڑھا کرو۔ جو شخص جتنا درود پڑھے گا اس کی منزلیں اتنی ہی آسان ہوں گی۔ درود پاک کی کثرت سے اس کے انوار و برکات نازل ہوتے ہیں، مقامات کے در وا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ ایک شخص اپنی کسی مشکل کے حل کے لئے آیا آپ نے اپنی عبادت و ریاضت میں سے وقت نکال کر اسے درود تنجینا سکھانے میں آدھا گھنٹہ صرف

Marfat.com

کر دیا اور اسے کثرت سے پڑھنے کی تلقین کی۔ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ میں نے کسی کے ہاتھ نبی پاک ﷺ کی خدمت اقدس میں سلام بھیجا ہے آپ نے فرمایا کہ تمہارا اسلام تو نہ جانے کب پہنچے۔ ہمارا اسلام اسی وقت صبح شام پہنچتا رہتا ہے۔

حضرت احمد بخشؒ رب العزت کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعا مانگتے تھے تو ان کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ ان کے دل کی آواز کی غمازی کرتا تھا۔ وہ دعا خفی اور جلی دونوں صورتوں میں مانگتے تھے۔ ہمیشہ اجتماعی دعا کرتے۔ دعا مانگتے ہوئے یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ لرز رہے ہوں۔ نماز کے بعد ان کی دعا طویل ہوتی تھی جو آدھا گھنٹہ سے کسی طور کم نہ ہوتی تھی۔ اس لئے عجلت پسند اس دعا سے گھبرا اور اکتا جاتے تھے لیکن یہی دعا بار آور بھی ہوتی تھی۔ وہ عموماً دعا کے لئے نوجوانوں کو بھی کہہ دیتے تھے فرماتے تھے نوجوانوں کی دعا جلد قبول ہوتی ہے۔ ان سے دعا کرانی چاہیے۔ اسی طرح نماز میں بھی اکثر دوسرں کو فوقیت دیتے۔ اپنے بائیس سالہ نواسے کی امامت میں نماز پڑھتے۔ کوئی اعتراض بھی کرتا تو کہتے کہ میں نے کب تک زندہ رہنا ہے۔ آپ لوگوں کی تربیت ہوگی تو آگے جا کر ذمہ داریاں سنبھال سکیں گے۔

حضرت احمد بخشؒ کے پاس بے شمار حاجت مند اپنی حاجتیں لے کر آتے۔ ان میں اعلیٰ حکام، سیاستدان اور فوج کے اعلیٰ افسران بھی شامل ہوتے۔ اعلیٰ حکام تو رات کی تاریکی میں آتے۔ سابق رکن صوبائی اسمبلی صدیق بلوچ دور گاڑی کھڑی کر کے ننگے پاؤں جاتے۔ بستی کے لوگوں کی حاجتیں تو چھوٹی ہوتیں لیکن بڑے لوگوں کی بڑی حاجتیں ہوتیں۔ بستی کے حوالے سے ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ ایک بیل دوڑ کے مقابلہ میں بستی کے لوگوں نے بھی حصہ لیا۔ بیل کا مالک حضرت کے پاس آیا کہ آپ تعویذ لکھ دیں کہ ہمارا بیل جیتے۔ آپ مسکرائے۔ تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ اچھا اللہ خیر کرے گا۔ لیکن وہ تعویذ لکھوانے پر بضد ہو گیا۔ حضرت سوچنے لگے کہ کیا لکھوں پھر ویسے ہی کاغذ پر ایک جملہ لکھ دیا۔ ”بھاگتا جا بھاگتا آ“ اس کے ساتھ ہی خلوص دل سے دعا بھی کی۔ تعویذ بیل کے گلے میں ڈال دیا گیا۔ مقابلے میں بیل جیت گیا۔ بستی کے لوگوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

Marfat.com

مٹھائی لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

سابق ڈائریکٹر تعلیمات غلام محمد ملغانی اپنے تبادلے کے سلسلے میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دعا فرمائی۔ اگلے روز ان کا تبادلہ ہو گیا۔ پھر کچھ دنوں بعد بیٹے کے ایس ڈی او بننے کے لئے دعا کرائی۔ اگلے دن ہی احکامات جاری ہو گئے۔ پھر دوسرے بیٹے کی ملازمت کے لئے دعا کرائی تو وہ بھی دوسرے روز پوری ہو گئی۔ اب انہیں چسکا لگ گیا۔ اپنی ہر حاجت کے لئے حاضر ہوتے دعا کراتے۔

حضرت کی قرآن خوانی والے دن خواتین میں ایک نوجوان غیر شادی شدہ لیڈی ڈاکٹر آئیں، انہوں نے بتایا کہ ان پر آپ کی خاصی شفقت تھی فرمایا تھا کہ انشاء اللہ تمہاری راہیں آسان ہوتی رہیں گی۔ لیڈی ڈاکٹر کے مسئلے خود بخود حل ہو رہے ہیں۔

محکمہ تعلیمات کے بجٹ آفیسر محمد صدیق چوہدری نے ترقی کے لئے دعا کرائی۔ دو تین دن بعد ہی ان کی ترقی ہو گئی۔ عہدے میں ترقی کیلئے تو بے شمار آفیسر آپ کے پاس آتے تھے اور بامراد لوٹتے تھے۔ ایک پروفیسر کا لڑکا گم ہو گیا کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔ پروفیسر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دعا کے لئے عرض کیا۔ آپ نے دعا کی۔ نتیجتہً دوسرے ہی روز لڑکا آموجود ہوا۔ اسی طرح بستی کی ایک خاتون انڈیا گئی ہوئی تھی۔ وہاں جا کر لاپتہ ہو گئی کوئی سراغ نہیں ملتا تھا متعلقین آپ کے پاس آئے۔ آپ نے تسلی دی۔ کہا۔ انشاء اللہ مل جائے گی۔ پھر اس کے حق میں دعا فرمائی خاتون دوسرے ہی روز گھر آ گئی۔ مرادوں کے پورا ہونے میں ایک بات اہم ہے کہ دعا کرنے کے دوسرے دن ہی مرادیں بر آتیں۔

بستی کا ایک شخص جنات کو قابو کرنے کے لئے چلہ کشی کرنے لگا لیکن یہ الٹ گیا اب تو ان صاحب کی جان کے لالے پڑ گئے۔ ادھر ادھر سے بہت علاج کرائے۔ عمل طاقتور ہونے کے باعث اس کا تریاق کسی کے پاس نہ تھا۔ سب بے بس تھے۔ سب ناکام ہو جاتے سب نے انہیں حضرت احمد بخش کے پاس جانے کا مشورہ دیا کہ وہ اس کا علاج کر سکتے ہیں۔ انہوں نے حضرت احمد بخش کو "گھر کی مرغی دال برابر" سمجھا تھا۔ ہر طرف سے

Marfat.com

ناکامی کے بعد ان کے پاس آئے آپ نے توڑ کیا۔ یہ صاحب شفایاب ہو گئے لیکن حضرت احمد بخش صاحب خود متاثر ہو گئے اور بمشکل کنٹرول پایا۔

بے شمار لوگ آپ کے پاس پانی کی بوتلیں رکھ دیتے جنہیں آپ عبادت کے بعد صبح کو دم کرتے تو لوگ اپنی اپنی بوتلیں لے جاتے۔ انہیں شفایابی بھی ہوتی۔ بستی کے ایک صاحب بتاتے ہیں کہ ان کا بچہ قرآن پاک حفظ کر رہا ہے۔ ذہن کچھ کمزور تھا۔ اس کے استاد کے کہنے پر حضرت سے بوتل دم کرائی۔ اب اس کا حافظہ بہت تیز ہے۔

حافظ ابو عمر راوی ہیں کہ سابق وفاقی وزیر ملک فاروق اعظم ان کے مرید ہیں۔ جب انہوں نے پہلی مرتبہ الیکشن لڑا تو آپ کے پاس آئے۔ دعا کے لئے کہا۔ حاجی صاحب نے کہا "ایک تو پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے ہو اوپر سے مجھ سے دعا کے لئے کہہ رہے ہو۔" فاروق اعظم صاحب نے اصرار کیا تو آپ نے انکی کامیابی کے لئے دعا فرمائی اور ہدایت کی کہ ذمہ داریوں کو نبھانا۔ اعمال درست رکھنا۔ ملک فاروق اعظم نے برسر اقتدار آتے ہی آپ کی ہدایات کو پس پشت ڈال دیا۔ دوبارہ الیکشن میں امیدوار ہوئے تو پھر دعا کے لئے آئے۔ آپ نے فوراً انکار کر دیا اور کہا پہلے ہی تم نے میری باتوں کا خیال نہیں کیا میں تمہارے حق میں دعا نہیں کر سکتا۔ نتیجۃً فاروق اعظم ہار گئے۔ فاروق اعظم کا اعتماد آپ پر اور بڑھ گیا۔

حضرت کی ایک ہمسایہ بستی کی خاتون کا آخری وقت آیا۔ جانکنی کا عالم تھا۔ زبان اکڑ گئی۔ منہ میں پانی ڈالتے تو اندر نہ جاتا۔ سب پریشان تھے۔ یہ خاتون حضرت احمد بخش کی معتقد تھیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوتی رہتی تھیں۔ گھر میں سے کسی کو خیال آیا کہ اس مشکل وقت میں حضرت کو بلایا جائے۔ خاتون کا ایک بیٹا حضرت کو موٹر سائیکل پر گھر لایا۔ آپ نے سورہ بقرہ پڑھی۔ پانی پر دم کیا۔ اسے منہ میں ڈالا گیا تو حلق میں چلا گیا۔ اس خاتون کے شوہر نے دوسری شادی کر لی تھی۔ جس کے زیر اثر ہونے کے باعث اس نے بیس پچیس سال سے ادھر کا رخ نہیں کیا تھا۔ حضرت نے خاتون کے متعلقین سے پوچھا کہ کیا ان کے شوہر آئے تھے؟ بتایا گیا اطلاع کے باوجود بھی نہیں آئے۔ پھر فرمایا کہ کوئی ان کے کان میں

Marfat.com

آہستہ سے کہہ دے جس کا انتظار ہے وہ کبھی نہیں آئے گا۔ خاتون کے کان میں کہہ دیا گیا۔ اور حضرت روانہ ہو گئے۔ اس دوران خاتون کی روح قفس عنصری کو پرواز کر گئی۔

حضرت احمد بخشؒ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا بھی پورا خیال رکھتے تھے۔ وہ بستی میں لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہوتے۔ اگر کوئی انتقال کر جاتا تو اس کی نماز جنازہ پڑھاتے عید کے موقع پر لوگ انہیں اپنے گھر لے جاتے۔ قربانی کے لئے تبرکاً چھری پر آپ کا ہاتھ رکھواتے اس طرح آپ اس روز کئی گھروں میں جاتے۔ علاقے کے لوگ تکلیف کے اوقات میں دم کرانے آپ کے پاس آتے۔ آپ ان سے خوش طبعی سے پیش آتے۔ ان کے مسئلے حل کرتے تبلیغی جماعتیں مسجد میں آتیں تو ان کی بھرپور مہمان نوازی کرتے۔ ان کا یہ وصف صرف تبلیغی جماعتوں تک محدود نہ تھا بلکہ جو بھی آجاتا آپ کی مہمان نوازی سے فیض یاب ہوتا۔

آپ نے کبھی کسی سے لڑائی نہیں کی ہمیشہ صلح امن و آشتی کی بات کرتے۔ اگر کوئی آپ سے زیادتی کرتا تو آپ درگزر فرماتے۔ مساجد کی تعمیر اور دیگر دینی کاموں میں درپردہ مدد فرماتے۔ اگر کوئی عقیدت مند رقم دے جاتا تو ذاتی استعمال میں لانے کی بجائے انہی کاموں میں صرف کرتے۔ اس ضمن میں وہ اتنے محتاط ہوتے کہ پوری جانچ پرکھ کرتے کہ کہیں غبن نہ ہو جائے۔ وہ ہمیشہ فضولیات سے گریز کرتے تھے۔ ان کا وقت کبھی بھی فضول کاموں یا باتوں کی نذر نہیں ہوا۔ اسی باعث وہ بستی میں بھی ضرورت کے علاوہ بہت کم نکلتے تھے۔

حضرت احمد بخشؒ آخری عمر میں نحیف و نزار تھے۔ 97,96 برس کی عمر میں 20 اگست 1997ء کو وفات پائی۔ آپ کرتا، تہمد، واسکٹ زیب تن کرتے تھے اور پگڑی باندھتے تھے۔ آپ کی یادداشت بہت اچھی تھی جس سے ایک دوبار مل لیتے اسے ہمیشہ یاد رکھتے تھے۔ ضعیفی کے باوجود مستعد تھے۔ رات کو بھی عبادت کے دوران انہیں سست نہ دیکھا گیا۔ قرآن پڑھنے کے دوران غنودگی کی کیفیت نہ ہوتی بلکہ ہمیشہ ہوشیار رہتے۔

Marfat.com

حضرت احمد بخشؒ کا معمول تھا کہ نماز جمعہ شہر کی جامع مسجد الصادق میں پڑھتے تھے۔ جب تک توانا تھے تو خود ہی جاتے تھے لیکن ضعیفی میں ان کے معتقد خاص سابق ایس پی ساجد محمود گاڑی بھیجتے تھے۔ بعد نماز جمعہ عقیدت مندوں کا ہجوم آپ سے مصافحے کے لئے بے چین ہوتا۔ آپ سب سے ہاتھ ملاتے رہتے۔ بعض اوقات تو ایسا ہوتا کہ زیادہ رش کے باعث آپ کے ہاتھ پر رومال باندھ دیا جاتا اسے لوگوں تک پہنچایا جاتا۔ لوگ اسے پکڑ کر عقیدت کا اظہار کرتے مصافحے کا سلسلہ آپ کی روانگی کے وقت تک چلتا رہتا۔ یہاں تک کہ جیپ میں بیٹھ جاتے لوگ ہاتھ ملاتے رہتے۔ جیپ آہستہ آہستہ چلنے لگتی۔ لوگوں کی عقیدت کا سلسلہ جاری رہتا۔ جب تک سب سے ہاتھ نہ ملا چکتے اس وقت تک روانگی نہ ہوتی۔

اولیاء اللہ کا ہر فعل رضائے الٰہی کے لئے ہوتا ہے اس امر میں وہ بہت محتاط ہوتے ہیں اور کوئی بھی ایسا کام نہیں کرتے جس سے خود نمائی منعکس ہو یا شہرت کا موجب بنے حضرت احمد بخشؒ بھی تشہیر سے بہت گھبراتے تھے جہاں بھی یہ احساس ہوتا کہ اس کام سے شہرت ہوگی اس سے باز رہتے۔ ایک بار بستی کی مسجد و مدرسہ کا جلسہ تھا۔ صدارت کے لئے حضرت کا نام تجویز ہوا۔ لوگ آپ کے پاس اس غرض سے گئے۔ آپ نے نہایت عاجزی سے ہاتھ جوڑ کر فرمایا کہ مجھے اس سے دور رکھیں۔ میں صدارت کسی طور نہیں کر سکتا۔ لوگ اصرار کرتے رہے آپ کا عاجزانہ انکار بڑھتا رہا۔ پھر فرمایا کہ شہر میں حضرت قاضی عظیم الدینؒ صاحب جیسی جلیل القدر ہستی موجود ہیں۔ آپ ان سے صدارت کرائیں۔ لوگ قاضی صاحب کے پاس گئے۔ ان کا طریقہ کار تھا کہ جو بھی اپنی کسی تقریب میں لے جاتا چلے جاتے لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ جلسہ رڈاں بستی میں ہے تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ وہاں حاجی احمد بخش جیسی ہستی ہیں۔ ان کی موجودگی میں میری صدارت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ ان سے صدارت کرائیں۔ قاضی صاحب کو بتایا گیا کہ حاجی احمد بخش صاحب کے انکار اور انہی کی تجویز پر آپ کے پاس آئے ہیں انہوں نے کہا کہ میری کیا مجال کہ اتنی بلند مرتبہ شخصیت کی موجودگی میں صدارت کروں۔ لوگوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا

Marfat.com

لیکن قاضی صاحب نہ مانے حالانکہ وہ نہایت ہی نرم طبیعت کے مالک تھے بستی کے لوگ پھر حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے بتایا کہ قاضی عظیم الدین کسی بھی صورت صدارت پر راضی نہیں ہیں۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ اب قاضی رشید احمد صاحب کے پاس جاکر میرا پیغام دینا کہ آپ اس جلسہ کی صدارت کریں۔ لوگ جب قاضی رشید صاحب کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ حضرت نے تو حکم دے دیا ہے اگر وہ حکم نہ دیتے تو میں کبھی بھی راضی نہ ہوتا۔ اب ان کے حکم کی تعمیل لازم ہے۔ بعد میں پروفیسر عبدالرحمان جن سے حاجی احمد بخش صاحب خاص انسیت رکھتے تھے۔ انہوں نے دریافت کیا حضرت آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا "تم نہیں سمجھو گے، اس میں، شہرت ہوتی ہے، اور دل میں تکبر پیدا ہو سکتا ہے۔ شیطان کے لیۓ راہ آسان ہو جاتی ہے۔ اگر ہم ذرا سی بے احتیاطی کر لیں تو بہت سے منزلیں پیچھے رہ جاتی ہیں۔" ایک دن حاجی احمد بخشؒ نے پروفیسر صاحب سے ہی فرمایا "آزمائش کے لیۓ بڑے بڑے شاہین آتے ہیں جو مختلف شکلوں میں ہوتے ہیں۔ بڑا ہی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ کسی کی دل آزاری بھی نہ ہو اور کوئی ایسی بات بھی نہ ہو جس سے احکام الٰہی کی خلاف ورزی ہو۔"

ایک بار ایک جماعت رڑاں بستی تبلیغی دورے پر آئی ہوئی تھی۔ جس میں کئی اہل اللہ شامل تھے۔ نماز کی امامت کے لئے مشورہ ہوا فیصلہ ہوا کہ حاجی صاحب نماز پڑھائیں گے جب ان سے درخواست کی گئی تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جماعت میں بہت سے اللہ والے ہیں ان میں سے کسی سے پڑھوالی جائے پھر انہوں نے نام لے لے کر کہا کہ ان ان صاحب سے پڑھوالیں۔ لیکن سب نے حضرت احمد بخش صاحب سے اصرار کیا کہ آپ ہی نماز پڑھائیں کیونکہ یہ باہمی مشورہ کے بعد طے پایا ہے حضرت امامت کے لئے کسی طور رضامند نہ ہوئے تو مجبوراً کسی اور نے نماز پڑھائی۔ رات کو خواب میں پوچھا گیا تم نے نماز کیوں نہیں پڑھائی؟ جواب دیا "بہت سے اہل اللہ موجود تھے۔ اگر میں پڑھاتا دل میں تکبر کا امکان تھا کہ تمہارا مقام ان سے بلند ہے اور شیطان کی راہ آسان ہو جاتی" کہا گیا "جب سب کا مشترکہ

Marfat.com

فیصلہ تھا تو پھر ایسا کیوں کیا؟ان کے فیصلہ کا احترام کرنا چاہئے۔" عرض کیا کہ "میں تکبر کے شائبہ کی غرض سے باز رہا تھا لیکن انشاء اللہ آئندہ نہیں ہوگا۔ معافی کا خواستگار ہوں۔" یہ خواب حضرت نے پروفیسر عبدالرحمان اور کچھ دوسرے ساتھیوں کو سنایا اور کہا بڑی مشکل سے پکڑ سے بچا ہوں۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ آپ اوابین کی نوافل ادا کر رہے تھے آپ کا معمول تھا کہ یہ نوافل کثرت سے پڑھتے تھے بستی کا ایک کوٹانہ اپنی کسی غرض سے حاضر ہوا آکر پیچھے بیٹھ گیا۔ آپ نے سلام پھیرا تو اسے دیکھ کر ہاتھ کے اشارے سے روکا کیونکہ اس دوران آپ بالکل بھی نہیں بولتے تھے۔ اس اثنا میں وہ چلا گیا۔ جب آپ نوافل سے فارغ ہوئے تو اسے موجود نہ پایا۔ سمجھے اپنی کسی ضرورت کے تحت چلا گیا ہے۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ آپ ایک بلند و روشن مینار پر بیٹھے ہیں پھر یکدم نیچے آگرے۔ آنکھ کھلی تو پریشان ہوئے صبح کو ایک ڈبہ مٹھائی کا خریدا۔ تعویذ لکھا۔ اور اس شخص کا گھر معلوم کر کے اس کے در پر پہنچے۔ وہ اپنے در پر آپ کی موجودگی کو دیکھ کر حیران ہوا۔ پھولا نہ سمایا۔ آپ نے ہاتھ جوڑ کر معافی طلب کی۔ اس نے کہا حضرت کس بات کی معافی؟ آپ نے کہا "رات تم آئے لیکن میں نے تمہیں رکنے کا اشارہ کیا۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ میں تمہاری بات فوراً سنتا۔ لہٰذا مجھے معاف کر دو۔" اس نے کہا "حضرت! مجھے جلدی تھی اس لئے چلا آیا۔" آپ نے کہا "نہیں معاف کر دو تمہیں نہیں پتہ میں قصوروار ہوں اور اپنا مسئلہ بیان کرو۔" بہر حال اس شخص نے اپنا مسئلہ بیان کیا آپ نے تعویذ اور مٹھائی دی اور اس کے لئے دعا فرمائی۔ ۲؎

ایک اور واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ ایک بے اولاد جوڑا خدمت میں حاضر ہوا۔ اولاد کے لئے کہا تو آپ نے سختی سے کہا کہ "اولاد میں نے دینی ہے؟ میرے پاس کیوں آئے ہو؟ جاؤ میں کچھ نہیں کر سکتا" کرنا خدا کا یہ ہوا کہ اس واقعے کے بعد اس خاتون کے اولاد ہو گئی۔ حضرت احمد بخشؒ نے کہا کہ اللہ کو میری بات ناپسند ہوئی کہ خاتون مان سے آئی تھی۔ میں نے اس کا دل توڑا۔ میں نے اللہ کے حضور اپنی اس خطا کی گڑگڑا کر معافی مانگی۔ ۳؎

حضرت احمد بخشؒ پہلے بستی میں ڈاک کا نظام چلاتے، ڈاک خانے سے ڈاک

Marfat.com

لے کر آتے اور پھر اپنا فرض نبھاتے پھر ایک دن تھیلا ہوا میں اڑتا ہوا محسوس ہوا۔ آپ اشارہ سمجھ گئے کہ اب کوئی اور رزق کا بندوبست ہونے والا ہے۔ اس کے بعد معمار کا کام کرنے لگے۔ پھر آپ نے دیکھا کہ دونوں طرف پانی ہے۔ درمیان میں خشکی کا پتلا سا راستہ ہے۔ آپ نے احتیاط سے قدم رکھا اور آہستہ آہستہ چلتے تمام راستہ طے کر گئے۔ گو یہ واقعہ کسی پیشے کی نشاندہی نہیں کرتا کسی اور ضمن میں آتا ہے لیکن کچھ عرصہ بعد ہی آپ نے معماری کو ترک کر کے لکڑی کا کام شروع کر دیا۔ آپ نعمت خانے اور چوکیاں بناتے۔ اس طرح محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتے۔ ایک بار ان کے پاس ایک خاص عقیدت مند بیٹھے تھے کہ بستی کا ایک شخص تخت خریدنے آیا۔ آپ نے ستر روپے بتائے اس نے ساٹھ روپے کہا۔ آپ قیمت کی کمی پر راضی نہ ہوئے۔ گاہک چلا گیا۔ عقیدت مند نے جیب سے ستر روپے نکال کر دیئے حضرت یہ تخت مجھے دے دیجیے۔ انہوں نے دس روپے واپس کر دیئے۔ ساٹھ روپے رکھ لیئے عرض کیا حضرت آپ نے پہلے گاہک کو تو ساٹھ روپے میں نہیں دیا یونہی لوٹا دیا اور مجھے ساٹھ روپے میں دے دیا آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ کہا دس روپے میرا منافع ہے۔ یہ بستی کا باشندہ ہے اس سے منافع لینا حق بنتا ہے جبکہ تم مسافر ہو دور سے کرایہ خرچ کر کے آئے ہو۔ کرایہ خرچ کر کے لے جاؤ گے اس طرح تمہیں یہ زیادہ مہنگا پڑے گا۔ بستی والے شخص نے تو یہیں سے اٹھا کر اپنے گھر لے جانا تھا اس کا کچھ خرچ نہیں ہوتا۔ لہٰذا تم سے منافع لینا مناسب نہیں سمجھتا۔

آخری عمر میں بہت زیادہ عمر ہونے کے باعث آپ نے یہ کام بھی چھوڑ دیا صرف عبادت الٰہی میں وقت صرف کرنے لگے۔ ان کا زیادہ تر وقت گھر کے سامنے واقع مسجد میں گزرتا۔ وہ مسجد میں دنیاوی بات کو سخت ناپسند کرتے تھے خود بھی کبھی کوئی بات کرنی ہوتی مسجد سے باہر آجاتے یا پھر وضو والی جگہ پر جا کر بات کرتے۔ جو لوگ یا بچے مسجد میں بلاوجہ بولتے رہتے انہیں آپ کی خفگی کا سامنا کرنا پڑتا...... آپ فرماتے "اللہ کے گھر کی بے ادبی کیوں کرتے ہو؟"

Marfat.com

حضرت احمد بخشؒ کو وفات سے ایک روز قبل خواب نظر آیا کہ سفید لباس میں ملبوس دو اشخاص آئے کہا "چلو۔ یہاں سے زیادہ ٹھنڈی اور اچھی جگہ ہے۔" آپ بیدار ہوئے تو تشویش ہوئی۔ بیوی کو خواب سنایا تو انہوں نے دلاسا دیتے ہوئے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ فرشتے نہ ہوں بلکہ شیطان بہکانے کے لئے آیا ہو۔ آپ نے فرمایا "فضول باتیں نہ کرو۔" آپ کھانا پہلے ہی کم کھاتے تھے اب تو بالکل چھوٹ گیا۔ تاہم اہل خانہ کے اصرار پر چند لقمے لئے۔ دن بھر اسی فکر میں رہے۔ اپنے نواسے اور دو تین مزید احباب کو خواب سنایا۔ عبادت معمول سے ہٹ کر کی۔ رات کو تہجد کے لئے مسجد گئے۔ اس کی ادائیگی کے بعد تقریباً ساڑھے تین بجے صبح گھر آکر لیٹے اور داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ گھر والے انکی اس کیفیت کو ناسازی طبع سمجھ کر ڈاکٹر کے لئے بھاگ دوڑ کرنے لگے لیکن وہ تو پہلے ہی رخصت ہو چکے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی ان کی موت کی تصدیق کر دی۔

آپ نے ایک بار حافظ غلام مرتضٰی سے کہا تھا کہ میری خواہش ہے کہ میرا جنازہ کوئی مواحد پڑھائے اور سنت کے مطابق پڑھائے پھر انہوں نے شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف کا نام تجویز کیا۔ انتقال کے بعد حافظ صاحب نے اہل خانہ سے کہا "حضرت نے ایک بار اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ مولانا حنیف نماز جنازہ پڑھائیں، بعد کا مجھے پتہ نہیں اگر آپ کو کچھ اور کہا ہو تو آپ اس پر عمل کریں۔" اہل خانہ نے کہا ہمیں تو کچھ نہیں کہا آپ مولانا کو لے کر آئیں۔ شیخ الحدیث آئے۔ نماز جنازہ بستی ہی میں مولانا محمد حنیف نے بعد نماز عصر پڑھائی جس میں ہزاروں افراد شریک تھے۔ اس درویش کی نماز جنازہ میں اعلیٰ حکام اور بااثر لوگ بھی شامل تھے۔ نماز کی ادائیگی کے بعد سنت کے مطابق جنازے کو فوراً اٹھایا گیا تو بہت سے ضعیف العتقاد اور دین سے بے بہرہ لوگ بولنے لگے کہ دعا کیوں نہیں مانگی، ہماری اپنی بخشش کا یہی تو وقت ہے، ہماری بخشش کیسے ہو گی؟ حضرت ہی ہماری بخشش کراتے وغیرہ وغیرہ۔ برسبیل تذکرہ عرض ہے کہ حضرت احمد بخشؒ خود نماز جنازہ سنت کے مطابق پڑھاتے تھے۔ ایک مرتبہ عباسی خاندان کی کسی خاتون کا انتقال ہو گیا ان کے ایک بزرگ نے

Marfat.com

حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر مدعا بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں تو سنت کے مطابق جنازہ پڑھاتا ہوں۔ بعد میں دعا نہیں کرونگا۔ لوگ شور کریں گے۔ صاحب خانہ نے کہا "جیسے آپ کی مرضی!" انہوں نے کہا "میری مرضی نہیں یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے ایسے ہی جنازہ پڑھایا ہے میں اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ اگر آپ لوگوں کی پرواہ نہ کریں تو میں چلتا ہوں۔" صاحب خانہ نے کہا حضرت جنازہ آپ ہی پڑھائیں گے۔ آپ ساتھ چلے گئے۔ جنازہ پڑھنے سے قبل اعلان کروایا کہ جنازہ سنت کے مطابق ہو گا اور بعد میں دعا نہیں ہو گی۔ جونہی نماز ختم ہوئی آپ نے جنازے کو اٹھانے کے لئے ہاتھ لگایا۔ سب نے فوراً ہی جنازہ اٹھالیا۔ بہت سے لوگوں نے اعتراضات کئے لیکن اہل خانہ میں سے کسی نے پرواہ نہ کی .... پھر دنیا نے دیکھا کہ سنت نبوی ﷺ پر سختی سے کاربند رہنے والے کا جنازہ عین سنت کے مطابق پڑھایا گیا۔

اور یہی اللہ والوں کی شان ہے کہ وہ اپنے معبود کے احکامات کی سر مو روگردانی نہیں کرتے۔

۱۔ حافظ ابو عمر

۲۔ پروفیسر عبدالرحمٰن

۳۔ ملک غلام محمد

Marfat.com

حضرت میاں عبد الشکور

بغداد الجدید ریلوے اسٹیشن پر ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس کے امام و خطیب ایک نحیف و نزار بزرگ ہیں جو کہ "میاں جی" کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا قد میانہ، چہرہ لمبوترا اور رنگت سانولی ہے۔ چہرے پر لمبائی کی شکل میں داڑھی ہے ہلکی ہلکی مونچھیں جو کناروں سے بڑی ہو کر داڑھی سے ملتی ہیں ان کی آنکھیں ان کی ضعیف العمری کی واضح طور پر نشاندہی کرتی ہیں، آواز باریک اور بیٹھی ہوئی۔ لباس نہایت سادہ ہوتا ہے۔ گرمیوں میں معمولی سی صدری اور تہمد پہنتے ہیں۔ مسجد کے بالکل سامنے ہی گھر ہے آپ کی طرح آپ کا انداز رہن سہن بھی بالکل سادہ ہے۔ گھر کے باہر یا بڑے سے کمرے میں کھرے پلنگ کی گدڑی پڑی ہوئی، پائینتی پر بیٹھتے ہیں۔ آس پاس عقیدت مند ہوتے ہیں یا قرآن حکیم پڑھنے والے چھوٹے چھوٹے بچے۔ گھر کے باہر کافی ساری ٹیڈی بکریاں ہیں۔ افزائش نسل کے باعث ان کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ اسی نسبت سے میاں جی "بکریوں والے بابا" کے لقب سے بھی جانے جاتے ہیں۔

میاں جی کا اسم گرامی میاں عبد الشکور ہے۔ آپ 1901ء میں میوات کے ضلع گوڑگانواں کے دیہات سہار میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام ولی محمد ہے۔ والدہ کی وفات کے بعد دادا نے پرورش کی۔ ان کی بھی وفات کے بعد یہ ذمہ داری ان کی بُوا نے سنبھالی۔ آپ

Marfat.com

نے قرآن حکیم اپنے حقیقی پھوپھا مولانا رضا علی جنہیں حاجی امداد اللہ مکیؒ سے نسبت تھی، سے پڑھا۔ پھر دہلی میں حافظ محمد ابراہیمؒ سے تعلیم حاصل کی بعد ازاں متھرا میں بابا عبدالمجیدؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہی کے زیر تربیت رہے۔ بابا عبدالمجیدؒ کا تعلق بھرت پور نگر شریف سے تھا ان کی نسبت حضرت خواجہ مشتاقؒ سے ہے جن کا سلسلہ حضرت خواجہ اللہ بخشؒ سے جا ملتا ہے۔ بابا سے حصول علم کے بعد میاں عبدالشکور صاحب پر استغراق کی حالت طاری ہو گئی انہوں نے بستی چھوڑ دی۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں نکل گئے۔ برسوں بعد جب ہوش میں آئے تو کانپور چلے گئے۔ یہاں انہوں نے وکٹوریہ میل سے متصل محلہ گوال ٹولی کی مسجد میں بارہ سال بچوں کو قرآن پاک پڑھانے میں صرف کیے پھر آگرہ آگئے۔ یہاں بھی درس و تدریس کا شغل جاری رہا۔ آگرہ سے ضلع گوڑ گانواں کی بستی کوس کلاں چلے آئے پھر 1947ء میں ہجرت کر کے جلوا ٹاری سے پاکستان آگئے۔ چھ دن والٹن کیمپ میں رہے پھر راولپنڈی پہنچے۔ ایک رات قیام کے بعد انہیں دریائے اٹک پر واقع بستی مانسہرہ پہنچایا گیا۔ جہاں انگریز دور کی چھاؤنی تھی۔ وہاں مہاجر کیمپ تھا۔ میاں جی کے ساتھ اس کیمپ میں سو افراد تھے۔ کیمپ کمانڈر نے میاں جی کو بلا کر کہا ہمارے پاس آدمی ہیں اور راشن ختم ہو گیا ہے ہم گاڑیاں دینگے آپ راشن لے آئیں چنانچہ میاں جی اور ان کے ساتھیوں نے اٹک جا کر راشن کا بندوبست کیا۔ یہ شہر اجڑ چکا تھا۔

میاں جی نے واہ میں قیام کیا اور وہاں کی مسجد باباولی خنداری میں امامت اور درس و تدریس کے فرائض سرانجام دینے لگے۔ یہ سلسلہ دس سال تک جاری رہا۔

میاں جی کے مرشد نے فرمایا کہ دو جگہیں ہیں ایک لودھران دوسری بغداد الجدید (بہاولپور) دونوں میں سے کسی ایک جگہ چلے جاؤ۔ وہاں کا چارج لے لو۔ میاں جی کو بغداد کا نام اچھا لگا۔ یہ شاید اس وجہ سے ہو کہ آپ کے جدامجد کا تعلق بغداد سے تھا جو بعد میں اصفہان چلے گئے اور پھر بابر کی فوج میں بھرتی ہو کر ہندوستان آگئے............ چنانچہ 4 فروری 1957ء کو آپ بہاولپور تشریف لے آئے۔ اس وقت بغداد الجدید کوئی باقاعدہ

Marfat.com

بستی نہ تھی بلکہ ویرانہ تھا، ریت کے ٹیلے تھے۔ میاں جی فرماتے ہیں مکھیاں والی گلی بہاولپور کے ایک درد مند چوہدری عبداللہ انہیں 300 روپے دیتے تھے۔ مگر ان کے مرشد خواب میں آئے منع فرمایا اور مسجد میں رہنے کی تاکید فرمائی۔ لہٰذا مرشد کے حکم کی تعمیل میں بغداد الجدید ریلوے اسٹیشن کی مسجد میں آ گئے جو کہ کچی تھی۔ یہاں ایک بڑی عمر کے بزرگ مولوی مقبول، امام تھے میاں جی نے انہیں بتایا کہ بابا عبدالمجیدؒ نے انہیں یہاں بھیجا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا آپ مکان اور مسجد سنبھالیں۔ میں حج کیلئے جارہا ہوں۔ واپس نہیں آؤں گا۔ وہ واقعی نہیں آئے ان کا انتقال وہیں ہو گیا۔

میاں جی اپنے مرشد بابا عبدالمجیدؒ کے بارے میں بتاتے ہیں کہ ان کا سلسلہ بیعت چشتی نظامی فخر سلیمانی چشتیاں شریف سے ہے۔ وہ جب بہاولپور تشریف لاتے تو نماز کی امامت خود نہیں فرماتے تھے بلکہ میاں جی کو نماز پڑھانے کا حکم دیتے تھے۔ میاں جی نماز پڑھاتے اور ان کے مرشد ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے۔ بابا عبدالمجیدؒ کا انتقال ایوبی دور میں ہوا۔ وہ میرپور (سندھ) میں مدفون ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی میں تدفین کی جگہ بتا دی تھی اور ہدایت فرمائی تھی کہ یہاں مسجد و مدرسہ بنایا جائے۔

میاں جی نے دو حج کئے ایک 1973ء میں دوسرا 1983ء میں۔ پہلے حج میں مسجد نمرہ میں شاہ فیصل کے پیچھے نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کی یہ چوتھی صف میں تھے شاہ فیصل نے خود خطبہ پڑھا تھا جب کہ 1983ء میں کعبۃ اللہ کے امام صاحب نے خطبہ پڑھا تھا۔

میاں جی کو بہت سے بزرگوں سے ملاقاتوں کا شرف بھی حاصل ہے، تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاسؒ میاں جی کے والد محترم ولی محمد صاحب کے مرشد تھے۔ میاں صاحب خود بھی تبلیغی جماعتوں کے ہمراہ جاتے تھے اور دین سے نابلد لوگوں کو دین سکھاتے تھے۔ میاں جی نے مولانا ذکریاؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور مولانا گنگوہی کی بھی کئی بار زیارت کی۔ مولانا احمد سعید کاظمیؒ سے بھی ان کی صحبت رہی۔

Marfat.com

مولانا کاظمی میاں جی کی دعوت پر مسجد میں تشریف لا کر وعظ فرماتے تھے۔

میاں جی فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کی نقل کرنا عبادت ہے۔ پہلے دیو بندی بریلوی نہیں تھے یہ سب ایک تھے۔ یہ تمیز اور تعصب یہاں آکر پیدا ہوا ہے۔ جب سے سپیکر عام ہوا ہے اس وقت سے نئے نئے تنازعات کھڑے ہوئے ہیں وہ فرماتے ہیں جس طرح آج کل لاؤڈ سپیکر پر درود و سلام کا اہتمام ہوتا ہے۔ مساجد میں پہلے نہیں ہوا کرتا تھا۔

میاں جی کی خواجہ حسن نظامی سے بھی کئی ملاقاتیں رہیں۔ خواجہ صاحب کے حوالے سے وہ بتاتے ہیں کہ شردھانند خود کو کرامات کا سوامی کہتا تھا۔ خواجہ حسن نظامی نے اسے چیلنج کیا۔ جمعہ کے روز راج گنج میں دونوں کے مابین مباہلہ تھا۔ خواجہ حسن نظامی نے کہا "کرامات اللہ نے اپنے ولیوں کو دین کی خاطر دی ہیں تو لکھ کر دے دے کہ اگر تجھ سے کوئی کرامت سرزد نہ ہو تو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دین محمدی میں داخل ہو جائے گا اور اگر تو اپنے مؤقف میں سچا نکلا تو میں تیرے مذہب کو اختیار کر لوں گا۔" خواجہ حسن نظامی نے پھر اس سے کہا کہ "سوکھے کنویں سے پانی نکال" لیکن شردھانند نہ مانا۔ خواجہ صاحب نے کہا قطب صاحب کی لاٹھ پر چڑھ کر چھلانگ لگاتے ہیں جو جھوٹا ہوگا وہ مر جائے گا لیکن سوامی اس پر بھی راضی نہ ہوا۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ تو بھی دعا مانگ اور میں بھی مانگتا ہوں جس کی دعا میں اثر ہوگا وہ مر جائے گا۔ خواجہ صاحب نے دعا مانگی پھر کچھ ہی دنوں بعد شردھانند غازی علم دین کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ ہندوؤں نے طیش میں آکر خواجہ حسن نظامی پر گولیاں چلائیں۔ جس پر خواجہ صاحب نے کہا کہ میں گولیوں سے نہیں اپنی موت مروں گا.............اور پھر یہی ہوا۔

اس عمر میں بھی میاں جی کا حافظہ بہت قوی ہے وہ اگرچہ مکمل قرآن پاک کے حافظ نہیں۔ صرف پندرہ سپارے حفظ کیے ان کے علاوہ بھی آپ بہت سی آیات ان کی گفتگو میں سن سکیں گے۔ انہیں بہت سے تاریخی واقعات، سن، حوالے، بزرگوں کے اقوال اور فارسی کے اشعار یاد ہیں۔ انہیں تاریخ کا گہرا شعور ہے جس کا اندازہ ان کی گفتگو سے ہوتا ہے۔

Marfat.com

میاں جی نے مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور بی اماں کو بھی دیکھا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ بی اماں سفید برقعہ اوڑھتی تھیں۔ میاں جی نے آگرہ کے محلّہ شاہ گنج میں قائداعظم کی تقریر بھی سنی ہے جو کہ انگریزی زبان میں تھی۔ سوامی شردھانند کے بارے میں میاں جی بتاتے ہیں کہ "وہ موٹا تازہ تھا، نسواری کپڑے پہنتا تھا۔ اور شدھی تحریک کا بانی تھا۔"

میاں جی کی ایک خوبی یہ ہے کہ کوئی شخص ان کے پاس آئے اور دعا کے لئے کہے تو وہ کچھ کہے بغیر فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیتے ہیں۔ لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے ہیں آپ دعا فرماتے رہتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے گزرتے ہوئے نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے دعا کے لئے کہا آپ نے فوراً ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی شروع کر دی۔ اس طرح آپ دن میں بیسیوں بار دعا فرماتے ہیں۔ اگر آپ کو تنہائی میسر ہو تو قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں یا تسبیح کرتے ہیں اور اگر پاس دو چار آدمی بیٹھے ہوں تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی باتوں کے علاوہ کچھ نہیں کرتے۔ مجال ہے کہ دنیاوی لہو و لعب کی طرف دھیان چلا جائے۔ نہ ہی آپ کسی شخص یا گروہ کی برائی کرتے ہیں۔ اس طرح آپ تمام وقت ذکر الٰہی میں صرف کر دیتے ہیں۔ آپ اکثر تلقین فرماتے ہیں کہ "نہ کسی کو برا کہو اور نہ کسی کی برائی میں فریق ہو۔"

آپ بہت حلیم الطبع ہیں اگر کسی نے آپ کی شان میں گستاخی کی تو آپ نے کبھی برا نہ منایا۔ میاں جی نہایت شفیق ہیں وہ بچوں کو پڑھاتے ہیں نہایت پیار و محبت سے۔ جسمانی سزا ان کی لغت میں ہے ہی نہیں۔ انہیں اس بات پر دکھ ہے کہ لوگ پڑھنے نہیں آتے حالانکہ وہ بالکل مفت پڑھاتے ہیں۔ کسی قسم کا معاوضہ نہیں لیتے۔

میاں جی قناعت پسند اور سادہ مزاج ہیں۔ آپ کا کھانا بہت سادہ ہوتا ہے اکثر سبزی کھاتے ہیں۔ گوشت شاذونادر ہی کھاتے ہوں وہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں۔ وہ اکیلے کھانے کی بجائے کسی دوسرے کو ساتھ ملا کر کھانے پر ترجیح دیتے ہیں۔ جب بھی

Marfat.com

کھانا آتا ہے تو موجود افراد کو بھی ساتھ ملا کر کھاتے ہیں۔ اسی طرح لباس بھی سادہ ہے آپ کے ایک عقیدت مند بشیر صاحب مرحوم ؒ نے مجھے بتایا کہ آپ کے پاس دو جوڑے ہیں ایک جسم پر ہوتا ہے جبکہ دوسرا رکھا ہوتا ہے۔ آپ چٹائی پر بیٹھنا پسند فرماتے ہیں۔

میاں جی کے بے شمار عقیدت مند ہیں جن میں ہر طبقہ کے لوگ شامل ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ متمول اور بڑے بڑے مناصب پر فائز افراد آپ کے آستانے پر جبہ سائی کرتے نظر آتے ہیں۔ بعض لوگ نذرانہ دیتے ہیں جنہیں آپ قبول کر لیتے ہیں اور اجتماعی دعا کراتے ہیں۔ آپ کے در پر جو بھی حاضر ہوتا ہے مٹی کے پیالے میں چائے اور پاپوں (رسک) سے تواضع فرماتے ہیں۔ نماز جمعہ کے بعد محفل ذکر ہوتی ہے۔ تمام شرکاء کی چائے اور رسک سے تواضع کی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ عقیدت مندوں کی طرف سے فراہم کیا جاتا ہے یعنی آپ لوگوں کا مال لوگوں پر خرچ کر دیتے ہیں۔ بے شمار لوگ آپ کے پاس تعویذ لینے دم اور دعا کرانے آتے ہیں۔ آپ فوراً ان کے لئے دعا فرماتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''مرشد کا تصور دم درود تک رکھ لیا گیا ہے جبکہ وہ رہنما ہوتا ہے'' اس بات سے آپ کے احساس کی شدت کا اندازہ ہوتا ہے کہ لوگ نہ صرف دین کا علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے کتراتے ہیں بلکہ تن آسان بھی ہو گئے ہیں دم درود سے اپنے مسائل حل کرانا چاہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ دین یہیں تک محدود ہے۔

میاں جی جمہوریت پسند ہیں اس سلسلہ میں ان کا ارشاد گرامی ہے ''دین کے احکامات مسجد سے نکلے ہیں ہاؤسوں سے نہیں۔ نبی پاک ﷺ بھی مسجد میں فیصلے فرماتے تھے۔ آپ صحابہ کرام کی رائے کو اہمیت دیتے تھے بہت سے مواقع پر آپ نے اکثریتی رائے کو ترجیح دی اکثر علماء و مشائخ بھی اسی نظریئے کے حامی ہیں۔''

میاں جی کی شادی آگرہ میں ہوئی۔ آپ کی دادی ریاست الور کی تھیں۔ بلدیہ عظمیٰ بہاولپور کے سابق کونسلر قاضی اکبر میاں جی کی ددھیال سے ہیں جبکہ جماعت اسلامی کے معروف رہنما ڈاکٹر سید خورشید علی شرر مرحوم کا تعلق آپ کی ننھیال سے تھا۔

Marfat.com

میاں جی کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے اس سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں کہ آپ کے مرشد کے بھی ایک بچہ ایک بچی تھی۔

جب تک میاں جی جیسے اللہ والے اس دنیا میں ہیں یہ دنیا قائم رہے گی اور نیکی کا وجود نظر آئے گا۔ لہٰذا میاں جی کا دم غنیمت جانیئے۔ ان کے فیوض و برکات کا چشمہ جاری ہے جتنا ہو سکے سمیٹ لیں کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں پچھتاوے کا سامنا کرنا پڑے۔ خدا ان کا سایہ تا دیر قائم رکھے۔ (آمین)

Marfat.com

حضرت مولانا محمد احمد انصاری

اپنے وقت کے فقیہہ اور جید عالم دین مولانا محمد فاروق انصاری اپنے معمول کے مطابق صبح کو قرآن پاک کی تلاوت فرمارہے ہیں۔ ان کے پاس ایک نوزائیدہ بچہ جس کی عمر صرف دو تین روز ہے ، لیٹا ہوا ہے۔ مولانا قرآن پاک کی تلاوت ختم کرتے ہیں تو بچہ رونے لگتا ہے دوسرے روز بھی ان کے ساتھ یہی کچھ ہوتا ہے۔ جب تیسرے روز بھی تلاوت کے بعد بچہ رونے لگتا ہے تو مولانا کا دھیان اس طرف جاتا ہے کہ تین روز سے انہونی ہو رہی ہے۔ بچہ قرآن مجید بند کرنے کے بعد روتا ہے۔ انہوں نے جانچنے کے لئے پھر تلاوت شروع کی بچہ خاموش۔ جب ختم کی تو بچہ پھر رونے لگا۔ انہوں نے ایک دوبار ایسا کیا۔ جب یقین ہو گیا تو اپنی اہلیہ کو اس جانب متوجہ کیا۔ انہوں نے کہا "یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ اتنے چھوٹے بچے کو اتنا شعور نہیں ہوتا۔" لیکن مولانا سمجھ گئے کہ یہ بچہ اپنے وقت کا غیر معمولی شخص ہو گا۔

جب یہ بچہ دو تین سال کا ہوا تو مولانا محمد فاروق اسے اپنے والد ریاست مالیر کوٹلہ کے مفتی اعظم اور مولانا رشید گنگوہیؒ کے خلیفہ خاص مولانا صدیق احمدؒ صاحب کے پاس اپنے وطن انبیٹھہ لے گئے۔ انہوں نے اسے دیکھتے ہی کہا "باقی بچے تمہارے ہیں یہ بچہ ہمارا ہے۔ اس کی خاص تربیت کرنا۔" مولانا فاروق نے اپنے والد کی نصیحت کو پلو میں باندھ لیا۔ اور خصوصی توجہ دی ، کبھی ڈانٹا تک نہیں۔

Marfat.com

آپ جانتے ہیں کہ یہ بچہ کون ہے؟ جی ہاں! یہ آج کے بین الاقوامی شہرت یافتہ عالم دین اور تبلیغی جماعت کے بڑے بزرگ مولانا محمد احمد انصاری ہیں۔ جنہیں دنیا بھر میں عقیدت واحترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔

مولانا محمد احمد کی پیدائش بہاولپور کے محلہ عام خاص میں ہوئی۔ آپ کا سن پیدائش 1925ء ہے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد اور جامعہ عباسیہ سے حاصل کی۔ ان کے والد اگرچہ جامعہ عباسیہ میں استاد تھے لیکن درس وتدریس کا الگ سلسلہ بھی تھا۔ وہ سوڈیڑھ سو کتابیں چھ سال میں مکمل کراتے جب کہ اور مدرسوں میں اس سے کم کتب کی تعلیم پر آٹھ، دس سال لگتے تھے۔ مولانا محمد احمد صاحب نے اپنی غیر معمولی ذہانت کے سبب یہ کورس ساڑھے تین سال میں مکمل کیا۔ اتنی کم مدت میں اتنے بھاری بھر کم نصاب کی تکمیل کی مثال ان کے علاوہ کہیں اور نہیں ملتی، پھر آپ دورۂ حدیث کی تکمیل کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور مولانا حسین احمد مدنیؒ کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ 1944ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل ہوئی۔ اسی امتحان کا ایک واقعہ ہے کہ تمام مدرسین نے آپ کو کامیاب قرار دے دیا۔ لیکن ایک مدرس نے فیل کر دیا۔ انہیں پرچے کے اعلیٰ معیار پر نقل کا شبہ تھا۔ جب معاملہ طلبہ کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ دینے والی مجلس شوریٰ میں گیا تو دیکھا یہ تمام مضامین اور اساتذہ کی نظر میں کامیاب ہیں جبکہ ایک استاد نے ناکام قرار دیا ہے۔ مجلس کے رکن مولانا ادریس کاندھلویؒ نے اس بارے میں ان استاد صاحب سے استفسار فرمایا تو انہوں نے کہا۔ "اس نے نقل کی ہے؟" مولانا ادریس نے کہا "اگر یہ لڑکا پورا پرچہ آپ کے سامنے من وعن کر دے تو آپ کیا کریں گے؟" لیکن استاد صاحب پھر بھی نہ مانے۔ مولانا ادریس نے مزید کہا اس طالبعلم کو "بزل المجهود شرح ابو داؤد" پوری یاد ہے۔ کیا آپ تمام اساتذہ میں سے کسی کو یاد ہے؟ اس پر استاد محترم نے کہا "آپ کہہ رہے ہیں تو نمبر دے دیتا ہوں۔" لیکن انہوں نے پھر بھی کامیابی کے نمبروں سے ایک نمبر کم رکھا۔

Marfat.com

مولانا محمد احمد کی ذہانت کا ایک اور واقعہ ہے کہ آپ جن دنوں اپنے والد سے تعلیم حاصل کر رہے تھے انہوں نے آپ کو جامعہ عباسیہ کے شیخ مولانا احمد علیؒ کے پاس فلسفہ و منطق پڑھنے کے لئے بھیجا۔ یہ بھر پور تیاری کے بعد استاد کے پاس جاتے تھے۔ پڑھانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اس صورتحال کو دیکھ کر مولانا احمد علیؒ نے مولانا فاروقؒ سے کہا ''کیا آپ نے اس لڑکے کو میرا امتحان لینے کے لئے بھیجا ہے'' انہوں نے کہا ''ہرگز نہیں بلکہ اس پر میری اس تعلیم کا اثر ہے کہ استاد کے پاس جانے سے پہلے خود اچھی طرح پڑھا جائے پھر اسے استاد کی طرح پڑھے۔''

مولانا محمد احمد نے تحصیل علم کے بعد سہارنپور کے مشہور مدرسہ مظاہر العلوم میں مدرس کے حیثیت سے ملازمت اختیار کرلی۔ یوں آپ نے پندرہ سولہ سال کی عمر میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ دوسری ملازمت انبالہ کے ایک مدرسہ میں کی جبکہ تیسری بہاولپور کینٹ پرائمری سکول میں کی۔ آپکی کوششوں سے ہی کینٹ مڈل سکول بنا۔ پھر آپ جامعہ عباسیہ سے وابستہ ہو گئے جہاں آپ فقہ، حدیث، تفسیر پڑھاتے تھے۔ جب جامعہ عباسیہ کو جامعہ اسلامیہ میں بدلا گیا۔ ایم اے کی کلاسیں شروع ہوئیں تو آپ ایم ایس سی کیمسٹری کو اسلامیات پڑھانے لگے۔ لیکن جونہی مخلوط تعلیم شروع ہوئی اور شعبہ میں پہلی لڑکی آئی تو آپ نے ریٹائرمنٹ لے لی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد مدینہ منورہ کی شرعی یونیورسٹی نے آپ کو دس ہزار ریال اور دیگر سہولیات کے عوض ملازمت کی پیش کش کی۔ اس ضمن میں آپ نے اپنے شیخ مولانا محمد زکریاؒ کو لکھا۔ انہوں نے جواب تحریر کیا ''ہم تو اس بابرکت مقام کو ثواب کمانے کی جگہ سمجھتے ہیں۔ آگے تمہاری مرضی۔'' آپ نے شیخ کا اشارہ سمجھ کر مدینہ منورہ میں ملازمت اختیار نہ کی۔ پھر لندن کے ایک اسلامی مرکز نے بھاری معاوضہ رہائش و دیگر سہولیات کے عوض مستقل ملازمت کی پیش کش کی لیکن آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ''جو کام میرے ذمہ ہے اور جو مجھے کرنا ہے اسکی انجام دہی کے سبب نہیں آسکتا۔'' اس ملازمت کے لئے انہوں نے اپنے شاگرد مولانا عبدالحنان کو بھیج دیا۔ آپ کو امریکہ

Marfat.com

کے ایک بڑے اسلامی ادارے کی جانب سے بھی پر کشش معاوضہ و سہولیات کی ساتھ ملازمت کی پیش کش ہوئی لیکن آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "اللہ مجھے جو دے رہا ہے وہ میرے لئے کافی ہے"

مولانا محمد احمد ابتداء ہی میں تبلیغی جماعت سے منسلک ہو گئے تھے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے کہ جب جماعت چند نفوس پر مشتمل تھی۔ کام بہت کٹھن اور صبر آزما تھا۔ اس دور میں آپ نے دور دراز دیہاتوں کے سفر بھی کیے جن سے پاؤں میں چھالے بھی پڑ جاتے لیکن اپنی تکلیف کا اظہار باہر تو در کنار گھر میں بھی نہ کرتے تھے۔ وہ دوران ملازمت ہی تبلیغی مشن پر رہتے تھے جس کے سبب آپ کو چھٹیاں کرنی پڑتیں۔ آپ کے کسی افسر نے آپکی اے سی آر پر یہ "خامی" لکھی کہ "یہ لمبی رخصتوں پر رہتے ہیں۔" آپ نے فرمایا "یہی تو ہمارے نامۂ اعمال میں ایک کام کی چیز ہے۔"

اپنے مقصد سے لگن کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ 1982ء میں ان کے لائق فائق اور بہت دیندار بیٹے کا انتقال ہو گیا۔ آپ کو اسکا گہرا صدمہ تھا۔ لوگ گروہ در گروہ تعزیت کے لئے آرہے تھے۔ جن میں عمائدین بھی شامل تھے انتقال کے دوسرے روز آپ سارے مجمع کو چھوڑ کر تبلیغی مرکز میں اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے روانہ ہو گئے۔ کہا، یہاں تو گھر کے دیگر افراد بھی موجود ہیں وہی لوگوں کو دیکھ لیں گے۔

اپنے مقصد سے لگن اور دینداری کا واقعہ یہ بھی ہے کہ عمر پیری اور بیماریوں کے سبب جسم بھاری ہو گیا جس کی وجہ سے بہت سی دشواریاں پیش آنے لگیں۔ ڈاکٹروں اور معتقدین نے صبح کی سیر پر زور دیا تو آپ نے اپنے قریبی ساتھی سے کہا "صبح آجایا کریں اور گھمادیا کریں"۔ دس روز بعد ہی سیر ترک کر دی اور کہا "اس سے وقت بہت ضائع ہوتا ہے اور میرے پاس اتنا وقت نہیں۔ اللہ کرم کریں گے۔"

مولانا محمد احمد مولانا محمد زکریاؒ سے بیعت ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک روایت ہے کہ مولانا محمد احمد دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں بغداد گئے وہاں غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

Marfat.com

کے مزار پر حاضری دی۔ وہاں کے سجادہ نشین جو ثقہ عالم دین تھے، سے کافی بے تکلفی کی باتیں ہوئیں۔ سجادہ نشین نے دریافت کیا "آپ کس کے مرید ہیں؟" آپ نے فرمایا "حضور اکرم ﷺ کے" انہوں نے کہا "ظاہری تعلق بتاؤ" مولانا نے کہا "کسی سے نہیں" ان بزرگ نے کہا "کسی سے تعلق ضرور ہونا چاہئے" مولانا نے جواب دیا "میں ضرورت محسوس نہیں کرتا"۔ انہوں نے کہا "نہیں ضرورت محسوس کرو۔ اسی میں فائدہ ہے"۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے مولانا محمد زکریاؒ سے بیعت کی۔ کچھ ہی عرصہ بعد انہوں نے مولانا محمد احمد کو اپنی خلافت دے دی۔ مولانا زکریاؒ کے پرانے مریدوں نے اس بات کو محسوس کیا۔ اور عرض کیا "آپ نے اتنی جلدی انہیں خلیفہ بنا دیا جبکہ اور بہت سے لوگ برسوں پرانے مرید ہیں" مولانا زکریا نے مسکرا کر فرمایا "میں نے انہیں نہیں بنایا۔ یہ تو پہلے سے ہی بنے بنائے تھے۔" ہوسکتا ہے کہ مولانا زکریاؒ کا اشارہ اس امر کی جانب ہو کہ وہ خود مولانا محمد احمد کے دادا کے بھائی مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ اس طرح خلافت واپس انکے مرشد کے خاندان میں آگئی۔

مولانا محمد احمد کا سلسلہ بیعت زیادہ عام نہیں۔ لوگ ان سے مرید ہونے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ یہ انہیں دوسروں کی جانب بھیج دیتے ہیں۔ عام طور پر مشائخ کے مریدین ایک دوسرے سے واقف ہوتے ہیں لیکن مولانا کے حوالے سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ کون شخص ان کا باقاعدہ مرید ہے۔ وہ کبھی بھی اس بات کا اظہار نہیں کرتے۔ وہ ایسی بیعت کے قائل نہیں جس سے شخصیت پرستی ابھرتی ہو۔ ان کی تربیت سے آدمی ان سے نہیں اپنے رب سے جڑتا ہے وہ اپنے مریدین اور معتقدین کو خود سے جوڑنے کی بجائے رب سے جوڑتے ہیں۔ ایک صاحب 1974ء میں ان کے پاس بیعت کے لئے گئے تو آپ نے فرمایا "میرے پاس دنیا تو ہے نہیں، کس لئے بیعت کرنا چاہتے ہو؟ دنیا چاہئے تو بہت سے لوگ موجود ہیں" ان صاحب نے کہا "مجھے دنیا نہیں دین چاہئے، آخرت میں سرخروئی چاہئے" پھر مولانا نے تین چیزوں کا عہد لیا۔ "جھوٹ نہیں بولنا، بدعہدی نہیں کرنی، نمازوں کا اہتمام

Marfat.com

کرنا ہے۔" مولانا ہر ایک سے انہی امور کا عہد لیتے ہیں۔ اب وہ بہت کم لوگوں سے بیعت لیتے ہیں۔ جماعت کا کوئی بہت پرانا آدمی ہو یا کسی ایسے شخص جس کے بارے میں بہت زیادہ معلومات رکھتے ہوں کہ عہد کو پورا کرے گا۔ اسی کو مرید بناتے ہیں۔ عموماً دوسرے بزرگوں کی جانب بھیج دیتے ہیں۔ ڈاکٹر حافظ عبداللہ مولانا کے خلیفہ مجاز ہیں۔

مولانا اپنے مریدین سے نذرانے یا ہدیہ وغیرہ بالکل نہیں لیتے۔ وہ لینے کے نہیں دینے کے قائل ہیں۔ ان کے مریدین کہتے ہیں کہ مولانا مختلف مواقع پر کچھ نہ کچھ تحفۃً ضرورت مرحمت فرماتے ہیں۔

مولانا محمد احمد صاحب کے اوقات کار تقسیم شدہ ہیں جن کی وہ سختی سے پابندی فرماتے ہیں۔ ان کے کہیں بھی آنے جانے کے پروگرام بہت واضح اور طے شدہ ہوتے ہیں ان میں کبھی بھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ وہ وقت کے اتنے پابند ہیں کہ منٹوں کا بھی فرق نہیں ہوتا۔ عزیزوں میں بھی کہیں ملنے جائیں تو وقت مقرر شدہ ہوتا ہے اس سے سر مو انحراف نہیں کرتے۔ وہ نظم وضبط کی سختی سے پابندی کرتے ہیں کوئی بھی شخص ان کے مخصوص اوقات کار کے علاوہ ان سے نہیں مل سکتا۔ ان کی شہر سے باہر آمد و رفت دینی کاموں کے سلسلہ میں ہوتی ہے۔ بہاولپور ڈویژن میں کہیں جانا ہو تو اسکا فیصلہ بہاولپور کی تبلیغی جماعت کی شوریٰ کرتی ہے۔ اور ڈویژن سے باہر رائے ونڈ کی شوریٰ کے فیصلے کے تحت جاتے ہیں۔ ایک بار رائے ونڈ میں معروف عالم دین ڈاکٹر اسرار احمد نے آپ کا بیان سنا۔ متاثر ہوئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد جب مولانا بیمار ہوئے تو ڈاکٹر صاحب نے اپنی نمائندگی کے طور پر دو افراد آپ کی عیادت کے لئے بھیجے۔ انہوں نے خط بھی لکھا جس میں رائے ونڈ کا بیان اور اسکی اثر انگیزی کے بارے میں تحریر تھا۔ نیز اس خواہش کا اظہار کیا گیا تھا کہ مولانا ڈاکٹر صاحب کے مرکز میں تشریف لا کر درس دیں۔ مولانا نے جواباً لکھا "آپ رائے ونڈ سے تشکیل کرا لیں اگر وہ کہیں گے تو میں آ جاؤں گا۔" رائے ونڈ کے اپنے ضابطے ہیں ہر ایک کی خواہش پر یوں کسی کو نہیں بھیج دیا جاتا۔ بہر حال مولانا تبلیغی جماعت کے نظم وضبط کی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔

Marfat.com

مولانا کے اوقات کار کی تقسیم اور اس پر سختی سے کاربند رہنے کی بنا پر بعض لوگ انہیں سخت مزاج تصور کرتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ نہایت شفیق ہیں۔ ہم لوگ چونکہ نظم وضبط سے عاری ہیں اسلیئے ڈسپلن والا شخص ہمارے لئے پسندیدہ نہیں ہوتا۔

مولانا رمضان المبارک میں ملاقاتیں نہیں کرتے۔ ایک بار شہداد پور کے دینی مدرسہ میں زیر تعلیم عرب طلبہ آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے آپ نے پیغامبر سے کہا "رمضان کا مہینہ اللہ کے لئے ہوتا ہے لوگوں کے لئے نہیں" پھر بڑی مشکل سے عصر کی نماز کے بعد پانچ منٹ دیئے اس میں بھی طلبہ کو ہدایت کی "جس کام کے لئے آئے ہیں اسے فوقیت دیں۔ ملاقاتیں آپ کے کام سے زیادہ اہم نہیں۔"

مولانا اپنے گھر پر پانچ، چھ مخصوص بچوں کی تعلیم فرماتے ہیں انہیں قرآن پاک حفظ کراتے ہیں۔ بچے کی استعداد اور مزاج کو دیکھ کر دینی علوم کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔ وہ غیر حاضر ہونے والے طالبعلم کی پوری خیر خبر رکھتے ہیں کہ وہ حقیقی معنوں میں بیمار ہے یا بہانہ کیا گیا ہے۔ مولانا کے طلبہ کہتے ہیں کہ آپ بے جا سختیاں نہیں کرتے۔ زیادہ مارتے نہیں اسکی ضرورت شاید ہی پیش آتی ہو عموماً رعب چلتا ہے۔ ان کے مدرسے میں سختیاں نہیں پابندیاں ضرور ہیں۔

مولانا محمد احمد اپنے بیانات میں عبدیت پر بہت زور دیتے ہیں آپ عبدیت کو عبادت تک محدود نہیں رکھتے فرماتے ہیں کہ "عبدیت کا مطلب یہ ہے کہ سر سے لے کر پاؤں کے ناخن تک خود کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔" آپ فرماتے ہیں "لفظ اسلام سلم سے مشتق ہے جسکا مطلب ہے حوالے کر دینا۔ جب انسان اسلام قبول کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنے وجود کو اللہ کو حوالے کر دیا ہے۔"

مولانا دعوت و تبلیغ کے کام کو امت کی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ انبیاء کے کام کو اس امت کی طرف منتقل کیا گیا ہے۔ جب تک امت کے لوگ اس ذمہ داری کو نہیں نبھائیں گے وہ ذلت ورسوائی سے نہیں بچ سکیں گے۔" مولانا کی ذات سے نفع

Marfat.com

(بمعنی اخروی) وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو امت کی ذمہ داری کو نبھاتے ہیں۔ جو لوگ مولانا کی صحبت میں رہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مولانا کی صحبت سے ہر بار رجوع الی اللہ کی طرف اضافہ ہوتا ہے۔

مولانا محمد احمد 1980ء میں ایک سہ روزہ لگانے چشتیاں گئے وہاں کی جامع مسجد میں بڑے اجتماع سے خطاب کیا جس میں بڑے بڑے علماء بھی موجود تھے۔ مولانا نے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے کہا "آج کے علماء مدرسوں اور خانقاہوں میں نظر بند ہو کر رہ گئے ہیں۔ اگر صحابہ کرام ایسا کرتے تو دین نہ پھیلتا۔ جو لوگ بے دینی کا شکار ہیں اور مغرب کے زیر اثر ہیں ان کو کون اور کیسے دین کی جانب مائل کرے گا؟" انہوں نے روتے ہوئے کہا کہ علمائے امت نے امت کو چھوڑ دیا ہے۔ مولانا کے اس خطاب نے محفل میں موجود علماء کو جھنجوڑ دیا سارے مجمع سمیت ان علماء پر بھی رقت طاری ہو گئی۔

مولانا کی تربیت کے پہلو میں سختی نہیں ہے وہ ڈانٹتے یا ٹوکتے نہیں۔ جس بات سے منع کرنا ہوتا ہے اپنے بیان میں انفرادی اشارے کی بجائے اجتماعی انداز میں کہتے ہیں۔ اس طرح بات کسی کو بری بھی نہیں لگتی۔ ویسے بھی وہ انفرادی سے زیادہ اجتماعی پہلو کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

مولانا محمد احمد دنیا بھر میں مقبول ہیں۔ جب وہ پاکستان کے کسی بڑے شہر میں ہوتے ہیں تو ایک بڑا مجمع ان کی زیارت کے لئے امڈ آتا ہے ان تک رسائی آسان نہیں ہوتی۔ انہوں نے اصول بنا رکھا ہے کہ مجمع میں ہاتھ نہیں ملاتے کیونکہ سارا مجمع امڈ آتا ہے۔ رائے ونڈ میں چونکہ بہت بڑا اجتماع ہوتا ہے اسلئے وہاں ہاتھ ملانا بھی کوئی آسان کام نہیں۔ آپ اکیلے ہی خاموشی سے نکل آتے ہیں تاکہ شناخت نہ ہو سکے اور اگر کچھ لوگ پہچان کر ہاتھ ملانے لگتے ہیں دوسرے لوگ ان لوگوں کو دیکھ کر آپکی طرف لپکتے ہیں تو آپ اشارے سے فرماتے ہیں اصل بزرگ پیچھے آرہے ہیں۔ اور واقعی ایسا ہوتا ہے کہ تبلیغی جماعت کے اکابرین ان کے پیچھے آرہے ہوتے ہیں۔

Marfat.com

مولانا بیرون ممالک میں بہت عزت واحترام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔ امارات کے شہزادے آپ کے معتقد ہیں۔ دبئی کے ایک شہزادے شیخ محمد بن حمدان نے خود کو دینی کاموں کے لئے وقف کیا ہوا ہے۔ وہ مولانا کے بہت زیادہ عقیدت مند ہیں۔ قطر اور کویت کے شیوخ بھی آپ کے مداح ہے۔ یہ لوگ ہر سال آپ کو بلواتے ہیں۔ وہ ان کے اور اہل خانہ کے عمروں کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ ایک عرب ملک نے تو مولانا کو اپنا شیخ بنانے کی پیش کش بھی کی تھی۔

مولانا نے دعوت کے سلسلہ میں دنیا بھر کے دورے کئے ہیں۔ ان دوروں کے کچھ عجائبات ہیں جو دلچسپی سے خالی نہیں۔ چند پیش خدمت ہیں۔

ایک بار مولانا لبنان کی ایک مسجد میں تقریر فرمارہے تھے کہ چار فلسطینی فدائین آگئے ان کے ہاتھوں میں جدید اسلحہ تھا۔ انہوں نے بندوقیں تان لیں۔ ان میں سے ایک نے کہا "شیخ! تم لوگوں کو جہاد سے روکتے ہو؟" آپ نے فرمایا "میں تمہاری ان بندوقوں سے نہیں ڈرتا۔ پہلے میری بات سنو پھر جو کرنا ہے، کرتے رہنا۔ یہ بتاؤ اگر ایک نوجوان مسجد میں داخل ہو کر بیت الخلاء کا رخ کرے وہاں سے نکلتے ہی نماز پڑھنے لگے اور امام مسجد یہ کہے کہ پہلے وضو کرلو پھر نماز پڑھنا۔ وہ شخص فوراً مسجد سے باہر نکل جائے اور لوگوں کو اپنے گرد اکٹھا کر کے کہے امام صاحب مجھے نماز پڑھنے نہیں دیتے۔ اس پر کچھ جوشیلے تمہاری طرح بغیر سوچے سمجھے امام صاحب کو مارنے کے لئے چلے آتے ہیں۔ کیا یہ فعل صحیح ہے؟ ہم یہ کہتے ہیں پہلے دین کی طرف آؤ۔ تیاری کرلو پھر جہاد کرو۔ کیا ہم غلط کرتے ہیں؟" فدائین مولانا کا مؤقف سمجھ گئے اور قائل ہو گئے۔

برسوں کے بعد رائے ونڈ میں اجتماع کے موقع پر ایک فلسطینی مولانا کے پاس آیا اور کہا آپ نے مجھے پہچانا؟ مولانا نے کہا "نہیں"۔ اس نے کہا "میں انہی چار پانچ فدائین میں سے ہوں جو لبنان میں آپ پر حملہ کرنے آئے تھے۔ میں آج جماعت کے کام کے لئے کوشاں ہوں۔" اس فلسطینی نے مولانا سے ایک جماعت اسکے ہمراہ

Marfat.com

بھیجنے کی درخواست بھی کی۔

مولانا محمد احمد تبلیغی سلسلہ میں کئی بار اردن تشریف لے گئے۔ ایک بار اپنی جماعت کے ہمراہ بس میں کسی مقام پر تشریف لے جارہے تھے۔ تین چار اسرائیلی جہاز آگئے۔ بس رک گئی۔ لوگ حواس باختہ ہو کر نکلنے اور پناہ گاہوں کی تلاش میں جانے لگے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ جو جہاز حملے کی نیت سے آئے وہ آپس میں ٹکرا گئے۔ لوگ حیران پریشان۔ کیونکہ ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ انہی بزرگوں کی جماعت کی کرامت ہے۔ آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا ''اگر تم دعوت کا کام کرو گے تو ان کے جہاز خود بخود گریں گے۔''

ایک اور بار آپ اردن ہی میں بس کا سفر کر رہے تھے کہ اسرائیلی جہاز آگئے۔ ڈرائیور بس روک کر فرار ہو گیا۔ لوگ سراسیمہ ہو کر پناہ گاہوں کی تلاش میں دوڑنے لگے سب کے اترنے کے بعد مولانا نے قریب ہی واقع مسجد کا رخ کیا۔ راستے میں ایک بچہ کھڑا ملا۔ مولانا نے اس سے ''پوچھا تم کیوں نہیں چھپ رہے؟'' بچے نے کہا ''شیخ موت ایک دفعہ آتی ہے'' مولانا بچے کے جواب سے متاثر ہوئے۔ پھر یکایک لوگوں نے دیکھا کہ جہاز آپس میں ٹکرا گئے۔ اردن ریڈیو کی طرف سے اعلان کیا گیا ''کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ جہاز کیوں آپس میں ٹکرائے۔''

1967ء میں اردن کے ہی ایک شہر عجدون کی ایک مسجد میں تھے۔ ان دنوں عرب اسرائیل جنگ جاری تھی۔ جس مسجد میں آپکا قیام تھا۔ اس میں کئی بم آکر گرے لیکن خدا کے فضل سے ان میں سے کوئی بھی نہیں پھٹا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ 1971ء کی پاک بھارت جنگ کا ہے۔ آپ اور کچھ اور بزرگ جامع مسجد الصادق کے عقب کی مسجد میں نماز تہجد میں مشغول تھے کہ قریبی محلہ کجل پورہ کے ایک ویران مکان میں بھارتی جہازوں کی طرف سے ایک طاقتور بم آکر گرا جو زمین میں دھنس گیا۔ اگر وہ خدانخواستہ پھٹ جاتا تو پورا شہر تباہ و برباد ہو جاتا۔

Marfat.com

1967ء میں ہی عیدون کی اسی مسجد میں جس میں ہم نہیں پھٹے تھے۔ مولانا محو استراحت تھے کہ سونے کے دوران انہوں نے کچھ عربی اشعار ادا کئے۔ مولانا کے ہمراہ کراچی سے گئی ہوئی ایک جماعت کے ارکان نے ان اشعار کو اسی وقت نوٹ کر لیا۔ یہ اشعار خواب میں ایک نو مسلم جمال کے اس سوال کا جواب ہیں کہ آپ اس مقام پر کیسے پہنچے؟ مولانا جواب دیتے ہیں۔

تنور قلبی یا جمال بو صال محمد
کما تنورت الدنیا یا جمال بجمال محمد

و رقیت الی العلیٰ یا جمال بکمال محمد
فا حفظ جمالك یا جمال بجمال محمد

نعم المنابر و المدارس و المساجد یا جمال
لو نو رت او زینت بدل الشموع بخصال محمد

و کفی لك یا جمال تمسکاً بمقال محمد
ولی الصلوۃ و السلام علی محمد و آل محمد

1. اے جمال! میرا دل حضور ﷺ سے شرف ملاقات سے روشن ہو گیا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے حضرت محمد ﷺ کے جمال سے دنیا روشن ہو گئی ہے۔
2. اے جمال! میں حضرت محمد ﷺ کے کمال سے بلندیوں پر پہنچ گیا ہوں۔ تو بھی اپنے جمال کی حفاظت کر حضرت محمد ﷺ کے جمال سے۔
3. اے جمال! منبر، مدرسے اور مسجدیں بہت اچھی جگہیں ہیں اگر یہ حضور ﷺ کے خصائل سے منور و مزین ہو جائیں تو سب شمعیں بدل جائیں۔

Marfat.com

4. اے جمال! تیرے لئے حضور ﷺ کے اس فرمان کو مضبوطی سے پکڑنا کافی ہے کہ نبی پاک ﷺ اور ان کی اولاد پر درود سلام بھیجنا۔

کچھ عرصہ بعد کراچی کی یہ جماعت بہاولپور آئی تو وہ مولانا کے بڑے بھائی مولانا محمد عثمان انصاری سے ملی۔ مولانا محمد احمد کے خواب کا سارا واقعہ اور اشعار سنائے جنہیں مولانا عثمان نے فوراً لکھ لیا۔ اس تمام صورتحال سے مولانا محمد احمد بے خبر تھے۔ اس واقعہ پر وقت کی کچھ گرد پڑ گئی تھی مولانا عثمان نے مولانا محمد احمد کو مندرجہ بالا اشعار سنا کر کہا کہ تم نے یہ شعر خوب کہے ہیں۔ اپنے بھائی کی زبانی یہ اشعار سن کر مولانا محمد احمد نے حیرت سے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہوئے؟ عثمان صاحب نے کہا کہ یہ اللہ کے بندوں کی زبانی معلوم ہوئے ہیں تو مولانا محمد احمد نے موضوع کو سمیٹ دیا۔

ایک بار مولانا مدینہ منورہ سے آرہے تھے وہ ایک ویگن میں سوار تھے۔ ان کے ہمراہ دس بارہ ساتھی تھے۔ گاڑی پہاڑی راستوں پر رواں دواں تھی کہ اچانک لڑکھڑائی۔ کئی قلابازیاں کھا کر الٹ گئی۔ حیرت انگیز بات یہ کہ تمام مسافر صحیح سلامت کسی نہ کسی طرح دروازوں سے باہر نکل آئے۔ کسی کو کوئی زخم نہیں آیا۔ گاڑی کی کوئی چیز نہیں ٹوٹی۔ ڈرائیور نے ان سے منت کرنی شروع کر دی کہ اس حادثے پر میری شکایت نہ کریں ورنہ پولیس نہیں چھوڑے گی۔ انہوں نے اسے تسلی دی۔ پھر سب نے مل کر گاڑی کو سیدھا کرنے کی کوشش کی جو ناکام ہوئی۔ نماز عصر کا وقت تھا۔ مولانا نے ساتھیوں کو نماز کی ادائیگی کے لئے کہا۔ سب نے نماز ادا کی اسکے بعد پھر گاڑی سیدھی کرنے کی کوشش کی گئی جو بآسانی ہو گئی۔ ایک اور حیرت کی بات یہ کہ سامان کو بھی کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا تھا۔ ہر چیز ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ تھی۔

ایک شب بہاولپور میں بارش ہوئی۔ مولانا کے قرب وجوار میں رہنے والے ایک صاحب کے ذہن میں یہ بات آئی کہ بارش کے سبب مسجد کو جانے والا راستہ خراب ہے۔ پانی

Marfat.com

کھڑا ہے مولانا نفیس طبیعت کے مالک ہیں وہ فجر کی نماز کی ادائیگی کے لیے کس طرح جاتے ہیں۔وہ شخص تاک میں تھا۔اسے مولانا کی روانگی کا وقت معلوم تھا۔ادھر مولانا نکلے۔ادھر وہ صاحب عقب میں تھے۔انہوں نے دیکھا کہ مولانا چمڑے کے بند جوتے پہنے ہوئے ہیں لاٹھی ہاتھ میں ہے۔پانی میں سے گزرتے جاتے ہیں۔ مسجد کے دروازے پر پہنچ کر جوتے اتارنے لگتے ہیں۔ادھر یہ صاحب بھی پہنچتے ہیں کیا دیکھتے ہیں کہ مولانا کے نہ جوتے گیلے ہیں اور نہ عصا۔ حیران ہوتے ہیں لیکن چونکہ مولانا کا مزاج خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں اسلئے خاموش رہتے ہیں۔

ان تمام باتوں کو مولانا کی کرامات کہا جاسکتا ہے۔ لیکن چونکہ مولانا عمل کے قائل ہیں اس لئے وہ اس ذکر کو قطعاً پسند نہیں کرتے۔ تبلیغی جماعت کے ارکان کی تربیت میں یہ بات شامل ہے کہ اپنے درمیان موجود بزرگوں کی کرامات کو کھلے عام بیان کرنے کی بجائے خاموشی اختیار کی جائے۔کیونکہ اس سے شخصیت پرستی کو فروغ ملتا ہے البتہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی عقیدت مندیوں اور کردار کو بیان کر کے لوگوں کو عمل کی طرف راغب کیا جائے۔ یہ لوگ اپنی تربیت کے زیر اثر مولانا یا کسی اور بزرگ کے حوالے سے بتانے سے کچھ کتراتے ہیں۔ تاہم وہ اپنی تمام تر احتیاط کے باوجود بشری تقاضے کے تحت غیر ارادی طور پر گفتگو کے دوران رو میں بہہ کر بتا جاتے ہیں۔ یہ واقعات ثقہ اور باکردار لوگوں کی گفتگوؤں سے اخذ گئے ہیں۔ مولانا کے حوالے سے اور بھی بہت سے واقعات ہیں جو ہمارے علم میں نہیں آسکے انہیں آنے والا مؤرخ قلمبند کریگا۔اب چند اور ملاحظہ فرمایئے۔

مولانا نے آٹھ یا نو بار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ایک حج کے موقع پر آپ مدینہ منورہ میں تھے کہ آپ کی جائے قیام پر ایک عرب آیا دریافت کیا ''شیخ انصاری ہے؟'' آپ کے ساتھیوں نے عدم موجودگی کے بارے میں بتایا اور پوچھا آپ کس سلسلہ میں ملنا چاہتے ہیں۔ یہ عرب جو دوڈھائی سو میل کا سفر طے کر کے آیا تھا۔اس نے کہا'' شیخ انصاری بہت بڑی شخصیت ہیں۔ان کا بڑا مقام ہے۔ مجھے سید الانبیاء ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی

Marfat.com

ہے جس میں آپ ﷺ نے انہیں بہت اہمیت دی ہے" پھر اس نے اپنا خواب سنایا۔ کہ سرور کائنات ﷺ تشریف فرماہیں آپ ﷺ کے آس پاس علماء بزرگان اور صالحین کا ایک بڑا مجمع ہے کہ مولانا محمد احمد آکر چپکے سے کونے میں بیٹھ جاتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی نظر مولانا پر پڑتی ہے تو آپ اشارہ فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں "شیخ انصاری کو بلاؤ" پھر نبی پاک ﷺ خوش ہو کر مولانا سے فرماتے ہیں "تم بہت دنوں میں آئے ہو۔ میں جس قسم کا کام اور تبلیغ چاہتا ہوں اسے تم نے سمجھا ہے۔" سرور دو عالم ﷺ تمام وقت مولانا محمد احمد کی جانب متوجہ رہے............ وہ عرب یہ خواب سنانے کے بعد عشاء کے بعد دوبارہ ملنے آیا لیکن اس وقت مولانا سو چکے تھے۔ بعد میں مولانا کے ساتھیوں نے عرب کے دوبار آنے اور خواب کا واقعہ سنایا۔ مولانا نے کہا اس سے کہہ دو "تم نے حضور ﷺ کی زیارت کر لی بہت ہے۔ باقی صرف خواب ہے۔" لیکن وہ شخص ملاقات پر بضد رہا۔ کہا کہ "میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ "یہ شیخ انصاری وہی ہے جسے میں نے خاتم المرسلین ﷺ کی مجلس میں دیکھا تھا یا کوئی اور شبیہہ ہے" بہر حال ملاقات ہوئی۔ عرب نے ہو بہو وہی پایا اس نے مولانا کی پیشانی چوم لی اور کہا آپ کتنے خوش نصیب ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے آپ کو اتنے بڑے مجمع میں اہمیت دی۔

مولانا کے ساتھ اسی نوع کا ایک واقعہ مکہ مکرمہ میں بھی پیش آیا تھا کہ ایک عرب خواب میں مولانا کو نبی پاک ﷺ کی محفل میں دیکھ کر مولانا کو تلاش کرتے کرتے پہنچا۔ مولانا نے ملاقات سے ہر ممکن گریز کرنا چاہا۔ پھر اس شرط پر ملاقات کی اجازت دے دی کہ "خواب میرے علاوہ کسی اور کو نہ بتانا۔"

مولانا محمد احمد کی روحانیت کے اپنے تو معترف ہیں ہی، غیر بھی قائل ہیں۔ ایک بار مولانا برطانیہ تبلیغی دورے پر گئے تو سخت علیل ہو گئے۔ میزبان با اثر اور صاحب ثروت تھے۔ انہوں نے مولانا کی علالت کے پیش نظر انہیں شاہی ڈاکٹر کو دکھانے کا فیصلہ کیا۔ مولانا نے کہا کہ اس کی فیس تو بہت ہوگی۔ لیکن میزبانوں نے اس بات کی پرواہ نہ کی۔ ڈاکٹر نے

Marfat.com

جونہی مولانا کو دیکھا تو اس پر کچھ عجیب سا اثر ہوا اس نے "اچھا! آپ ہیں" اس انداز سے کہا جیسے وہ انہیں جانتا ہو۔ اس نے طبی معائنے کے بعد کہا میں نے سات آٹھ سال سے ایلو پیتھک پریکٹس چھوڑ دی ہے۔ ہومیو پیتھک پریکٹس کرتا ہوں اگر کہیں تو اس کی دوا دے دیتا ہوں اور اگر ایلو پیتھک دوا لینی ہے تو میرے فلاں اسسٹنٹ سے رجوع کریں۔ مولانا نے ہومیو پیتھک دوا کے لئے کہا۔ اس نے چند پڑیاں بنا کر دے دیں جو کہ ہر دس منٹ پھر آدھا گھنٹہ اور پھر گھنٹہ بعد کھانی تھیں۔ مولانا کو پہلی پڑیا سے ہی افاقہ ہو گیا۔ مکمل کورس سے مکمل شفایاب ہو گئے۔ میزبانوں نے ڈاکٹر سے فیس کے بارے میں استفسار کیا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا "میں ان سے فیس لوں؟ ایسا نہیں ہو سکتا" یہ بات کسی عجوبہ سے کم نہیں تھی کہ شاہی ڈاکٹر اور فیس سے انکار۔ جبکہ وہ جانتا بھی نہیں۔ صرف مولانا کی روحانیت سے متاثر ہوا۔ یقیناً یہ کسی کرامت سے کم نہیں۔

اس نوع کا واقعہ مولانا کے ساتھ ترکی میں بھی پیش آیا تھا کہ آپ بیمار ہو گئے تو میزبانوں نے کسی بڑے ڈاکٹر کو دکھایا۔ ڈاکٹر نے طبی معائنے کے بعد آپ سے فیس لینے سے انکار کر دیا تھا۔

مولانا محمد احمد تبلیغی سلسلہ میں امریکہ کے کئی دورے کر چکے ہیں۔ ان کے دوسرے دورے کا واقعہ ہے کہ واپسی کے وقت ایئر پورٹ پر انہوں نے حسب دستور دعا کرائی جو کہ لمبی ہو گئی۔ ارد گرد کے لوگ جمع ہوتے چلے گئے اور اک سماں بندھ گیا۔ یہاں تک کہ جہاز لیٹ ہو گیا۔ پائلٹ غصہ میں اتر آیا کہ کب تک مولانا اور ان کے ہمراہیوں کا انتظار کروں۔ وہ ان کی دعائیہ محفل میں آگیا لیکن منظر کو دیکھ کر خود بھی دعا کے زیر اثر آگیا اور اس نے دعا جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔

اور واقعی جو اللہ کا ہو جاتا ہے سب اسی کے ہو جاتے ہیں۔

سابق صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق مولانا کے بہت معتقد تھے انہوں نے کئی بار رائے ونڈ میں مولانا سے ملاقاتیں کیں۔ ضیاء نے جب مشاورتی کونسل یا مجلس شوریٰ بنائی تو

Marfat.com

آپ کو بھی اس میں شمولیت کی دعوت دی لیکن مولانا نے انکار کر دیا اور فیصل آباد کے مفتی زین العابدین کا نام تجویز کیا۔ ضیاء مولانا کے اس انداز سے بہت زیادہ متاثر ہوئے ان کی مولانا سے عقیدت بڑھ گئی کہا "میں نے صرف دو آدمی دیکھے ہیں جو اقتدار سے دور بھاگتے ہیں ایک مولانا شمس الحق افغانی اور دوسرے مولانا محمد احمد۔"

جنرل ضیاء نے بہاولپور کے دو مختلف دوروں کے دوران ملاقات کی خواہش ظاہر کی لیکن مولانا نے جنرل کے پاس جانے سے انکار کر دیا اور کہا "آپ مدینہ مسجد میں شوق سے تشریف لائیں لیکن بغیر وردی کے۔" ضیاء مولانا کی شرط پوری نہ کر سکے اس لئے ملاقات بھی نہ ہو سکی۔ ایک بار ضیاء نے چارٹرڈ طیارہ کے ذریعے اسلام آباد تشریف لانے کی پیش کش کی لیکن آپ نے مسترد کر دی۔

مولانا محمد احمد کا جنرل ضیاء سے آمنا سامنا اسوقت ہوا کہ ضیاء کے حکومت میں آنے سے بہت پہلے مولانا تبلیغی سلسلہ میں اسلام آباد گئے ہوئے تھے اتفاق سے اسی مسجد میں ضیاء بھی موجود تھے جس میں مولانا تھے۔ اسوقت ضیاء مولانا سے ناآشنا تھے۔ مغرب کے بعد مولانا کا بیان شروع ہوا۔ بارش بہت زیادہ ہو رہی تھی۔ جسے دیکھ کر ضیاء نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ رکنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ موسلادھار بارش کے تھمنے کے امکانات نہیں۔ لیکن ہوا اس کے برعکس، بارش پانچ منٹ بعد ہی تھم گئی۔ اور مولانا نے بیان مکمل کیا۔ حاضرین نے بارش کے رکنے کو مولانا کی کرامت جانا۔

جنرل ضیاء اور مولانا کا دوسری بار آمنا سامنا مارشل لاء لگانے سے چند گھنٹوں قبل ہوا۔ وہ اس طرح کہ مولانا محمد احمد آبپارہ مسجد میں نماز مغرب کے بعد بیان فرما رہے تھے۔ بیان کے بعد تبلیغی جماعت کے ارکان کا تبلیغی وفد بھیجنے کے سلسلہ میں مشورہ ہوتا ہے۔ مشورہ ہو رہا تھا۔ دیکھا کہ کچھ ہی فاصلے پر جنرل ضیاء بیٹھے ہیں اور کان اسی طرف لگے ہیں۔ مولانا نے بلوا بھیجا کہ ہم کوئی خاص بات نہیں کر رہے۔ عام نوعیت کی گفتگو ہے اگر آپ شامل ہونا چاہیں تو آجائیں۔ ضیاء نے شمولیت سے عذر ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ "میں اسوقت کچھ

Marfat.com

پڑھتا ہوں وہ مکمل کروں گا۔اس وقت ملکی حالات کے لئے خصوصی دعا کی ضرورت ہے آپ دعا فرمائیں کہ اللہ بہتری فرمائے۔" رات کو چند گھنٹوں بعد معلوم ہوا کہ جنرل ضیاء مارشل لاء لگا کر بر سر اقتدار آگئے ہیں۔

مولانا زاہد شب بیدار ہیں۔ ان کے پرانے مکان میں ایک تہہ خانہ تھا جو ان کی عبادت کے لئے مخصوص تھا۔ موجودہ مکان میں بھی الگ جگہ مخصوص ہے۔ جب وہ کسی جماعت کے ساتھ جاتے ہیں رات کو سب سوتے ہیں تو یہ ذکر اذکار کرتے ہیں۔ ایک صاحب جو مولانا کے ہمراہ کسی شہر میں تھے۔ رات کو سو رہے تھے کہ ان کی آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ مولانا "اللہ" کا ورد کر رہے ہیں۔ اس لفظ کی ادائیگی میں اتنی تاثیر ہے کہ دوسرے کی روح مضطرب ہو جاتی ہے۔ اس کا بھی جی چاہتا ہے کہ وہ بھی اپنے رب کے حضور پیکر عجز و نیاز بن جائے۔

مولانا سبب پر یقین نہیں رکھتے اسباب پیدا کرنے والے پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ وہ صرف سبب اختیار کرتے ہیں۔ اس ضمن میں کئی واقعات ہیں۔ ایک بار انہوں نے اپنے خلیفہ ڈاکٹر حافظ محمد عبداللہ کے ہمراہ دینی کام کے سلسلہ میں ہی کہیں جانا تھا۔ آٹھ بجے کا وقت طے تھا۔ حافظ صاحب نے اپنے بھتیجے کو پونے آٹھ بجے گاڑی لے آنے کے لئے کہا۔ کسی اور صاحب کو بھی کہہ دیا گیا تھا۔ لیکن دونوں اصحاب نہ پہنچے حافظ صاحب کو تشویش ہوئی اور مولانا کے پاس پہنچ گئے کیونکہ مولانا وقت کے بہت پابند ہیں۔ جب آٹھ بجے تو مولانا نے کہا "چلیں۔" حافظ صاحب نے کہا "جن لوگوں کو گاڑی کا کہا گیا تھا وہ نہیں پہنچے۔" مولانا نے کہا "وقت ہو گیا ہے لہذا چلتے ہیں۔" یہ اٹھ کر باہر آگئے ابھی نکلے ہی تھے کہ ایک ڈاکٹر صاحب مل گئے انہوں نے کہا میں آپ کو اپنی گاڑی پر چھوڑ آتا ہوں۔ اتنے میں وہ دونوں گاڑیاں بھی آگئیں۔ انہوں نے سبب کو سہارا نہیں بنایا سبب خود بخود پیدا ہو گیا۔

مولانا محمد احمد کے بڑے بھائی مولانا محمد عثمان انصاری صاحب فرماتے ہیں

Marfat.com

کہ مولانا جس کام کا ارادہ کر لیتے ہیں وہ کام خود بخود ہو جاتا ہے انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ مولانا عثمان صاحب کے داماد کا انتقال ہوا۔ اس سلسلہ میں سب لوگ کراچی جارہے تھے۔ مولانا محمد احمد صاحب تشریف لائے فرمایا میں بھی کراچی چلتا ہوں۔ گاڑی کا وقت زیادہ دور نہیں تھا۔ ریزرویشن نہیں تھی۔ آپ نے اسٹیشن فون کر کے پوچھا انہوں نے کہا "یہاں سے تو کوئی سیٹ نہیں۔ ملتان پتہ کرتے ہیں۔ اگر وہاں نہ بھی ملی آپ تشریف لے آئیں انشاء اللہ بندوبست ہو جائے گا۔" مولانا سٹیشن پر پہنچ گئے اور بآسانی سفر کیا۔

مولانا سے قرب رکھنے والے افراد کا کہنا ہے آپ بہت شفیق انسان ہیں آپ کی شفقت والدین سے بھی بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ وہ اپنے متعلقین کا بہت خیال رکھتے ہیں ان کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔ ان کا ایک شاگرد بیمار پڑ گیا وہ ہسپتال عیادت کے لئے گئے۔ دعا فرمائی۔ پھر ہسپتال میں موجود تمام جاننے والے زیر علاج مریضوں کے پاس جا کر عیادت کی۔ مولانا نہ صرف اپنے درس میں عیادت پر زور دیتے ہیں بلکہ عمل پیرا بھی ہوتے ہیں۔

مولانا اپنے قرب کے لوگوں کی ضرورتوں کو محسوس کر کے اسے از خود پوری کر دیتے ہیں۔ آپ ایک جگہ ملنے گئے۔ سخت گرمی کے سبب کولر کے بارے میں دریافت کیا پتا یا گیا خراب ہے۔ مولانا نے اپنے قریبی مرید کو رقم دے کر کولر ٹھیک کرانے کی ہدایت کی۔ ان کے ایک مرید کے بچے کی ٹانگ ٹوٹ گئی اس میں راڈ پڑنی تھی جس کی قیمت دس ہزار روپے تھی۔ مولانا نے رقم دے کر اس شخص کی ضرورت کو پورا کیا۔ حالانکہ مرید نے مولانا سے نہ تو مدد کے لئے کہا تھا۔ اور نہ ہی اشارہ کیا تھا۔ مولانا نے خود ہی ضرورت کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ جس کسی کو بھی کچھ دیتے ہیں وہ ناقابل واپسی ہوتا ہے۔

مولانا معاملات میں سختی سے کاربند رہتے ہیں۔ وہ ایک مثالی شخصیت ہیں اگر وہ کسی کے ذمہ کوئی کام ایسا لگائیں جسکی ادائیگی کرنی ہو تو ایک ایک پیسے کی ادائیگی کرتے ہیں بلکہ کچھ زیادہ ہی دیدیتے ہیں۔ اس معاملے میں وہ اتنے محتاط اور ذمہ دار ہیں کہ لینے والے بھول

Marfat.com

جائیں۔ مگر انہیں سب کچھ یاد ہوگا۔ ادائیگی میں قطعاً تاخیر نہیں ہوگی۔ جس کسی کو دینا ہو اسکا ایک ایک پائی کا حساب رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ کسی قسم کی کوتاہی نہیں برتتے۔ دینے کے معاملے میں وہ اتنے محتاط ہیں کہ خود پر حرف نہیں آنے دیتے۔

مولانا کے ایک مرید عبدالعزیز صاحب کا مولانا سے برسوں سے تعلق ہے وہ مولانا کے کرایہ دار رہے۔ اور کاروبار میں شراکت دار بھی۔ انہوں نے مولانا کے ساتھ سفر بھی کئے انہوں نے ہمیشہ مولانا کو مثالی شخص پایا۔ عزیز صاحب نے 1974ء میں مولانا کے ہاتھ پر بیعت کے بعد خدمت سپرد کرنے کی درخواست کی تو مولانا نے انکار کر دیا۔ لیکن ان کے پیہم اصرار پر مولانا کو ہار ماننی پڑی کہا "گھر کا سودا لا دیا کرو۔" انہوں نے اٹھارہ سال یہ خدمت انجام دی۔ وہ بتاتے ہیں کہ مولانا کے گھر اپنے کے کھانے کی سادگی انتہا درجے کی ہے۔ عبدالعزیز صاحب ہفتہ میں ایک بار ایک پاؤ بکری کا گوشت، ایک پاؤ قیمہ، سوموار کو آدھا کلو گائے کا قیمہ لاتے۔ باقی ایام میں سبزی اپنی مرضی سے لا کر دے دیتے تھے۔ کبھی بھی مرغی کا گوشت نہیں منگوایا۔ گھر کے سودے کی ایک ایک پائی ادا کی جاتی تھی۔ ذرا سوچئے! اتنا تھوڑا سا گوشت یا قیمہ پورے کنبے کے لئے کیسے پورا پڑتا ہوگا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ والوں کا کھانا اتنا ہی سادہ ہوتا ہے۔ وہ خود کو لذتوں کا محتاج نہیں بناتے۔ وہ صرف پیٹ بھرنے کے لئے کھاتے ہیں۔ وہ کھانے کے لئے نہیں جیتے، جینے کے لئے کھاتے ہیں۔

عبدالعزیز صاحب مولانا کے مکان کے ایک حصہ میں رہتے تھے۔ ایک بار مولانا کسی غرض سے عزیز صاحب کے پاس گئے وہ سو رہے تھے۔ انکی آنکھ کھل گئی مولانا نے اس بیداری پر اتنی معذرت کی کہ عزیز صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بظاہر کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ لیکن مولانا کو قطعاً گوارا نہیں تھا کہ کسی کو ان کی طرف سے تکلیف پہنچے۔ مولانا کے کردار کا یہ وہ روشن پہلو ہے جو بہت سے مذہبی پیشواؤں کے نصیب میں نہیں۔

مولانا محمد احمد کسی قسم کی کدورت کو اپنے دل میں جگہ نہیں دیتے اگر کسی نے رنج

Marfat.com

بھی پہنچتا ہے تو اسکا اظہار نہیں کرتے خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ وہ تکلیف پہنچنے پر بھی کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہیں کرتے بلکہ دعا کرتے ہیں۔

مولانا محمد احمد نے کبھی بھی کسی فرقہ کے خلاف کوئی کلمہ نہیں کہا، نہ ہی وہ کوئی ایسی بات سننے کے لئے تیار ہوتے ہیں اگر کوئی کسی فرقہ کے خلاف بات کرنے کی کوشش بھی کرے تو آپ فرماتے ہیں "امت میں انتشار پیدا نہیں کرنا چاہیئے۔ ہم نے لوگوں کو جوڑنا ہے توڑنا نہیں۔ اگر ہم ایسی باتیں کریں گے جو جوڑنے کی بجائے توڑنے کی ہوں گی تو بہت مشکل پیدا ہوگی۔"

عراق نے جب کویت پر حملہ کیا تو مولانا افسردہ تھے فرماتے تھے "عراق نے زبردست غلطی کی ہے۔ اس کے اس اقدام سے نہ صرف اس کو بلکہ اسلامی ملکوں کو نقصان پہنچے گا۔ امت میں انتشار پیدا ہوگا۔"

مولانا کی زندگی ترتیب سے عبارت ہے ان کا ہر کام انکی ترتیب کے تحت ہوتا ہے۔ وہ اسی ترتیب کی وجہ سے عرف عام میں سوشل کی تعریف پر پورے نہیں اترتے۔ یعنی رسمی تقریبات میں شرکت سے گریز کرتے ہیں۔ نہ ہی ہر وقت ہر کسی سے ملتے ہیں۔ صبح 8.30 سے 9.30 بجے تک ان کے گھر پر کوئی بھی شخص آکر مل سکتا ہے۔ یا پھر نماز کے اوقات میں مسجد میں ان سے سلام دعا کر سکتا ہے۔ اسکے علاوہ وہ کسی بھی وقت نہیں مل سکتے۔ اگر وہ ایسا کریں تو ان کا سارا وقت ملاقاتوں میں برباد ہو جائے اور ان کی ترتیب خراب ہو جائے۔

مولانا بحث مباحثہ سے گریز کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں "سوال جواب سے کام رک جاتا ہے۔ کام سے غرض رہنی چاہئے۔ اسی میں مگن رہنا چاہیئے" کام کو ہر چیز پر فوقیت دینا ہی مولانا کی زندگی کا اصول ہے جس پر وہ سختی سے کاربند رہتے ہیں اور تلقین کرتے ہیں۔ ایک قاری صاحب نئے چلنے والے ایک مدرسہ سے وابستہ ہوئے جو ان کی محنت کے سبب چل پڑا۔ کچھ لوگوں نے ان قاری صاحب کی شدومد سے مخالفت کی۔ ان میں مولانا کے بعض رشتہ دار

Marfat.com

بھی شامل تھے۔ یہ لوگ قاری صاحب کی بجائے ان کے بچوں پر معترض تھے اسلئے انہیں مدرسہ سے ہٹانا چاہتے تھے۔ مذکورہ قاری صاحب گھبرا کر مولانا محمد احمد صاحب کے پاس آئے۔ مولانا نے فرمایا۔ "کام سے کام رکھو۔ کسی پر توجہ نہ دو ورنہ کام کا ہرج ہو گا۔ دین کے اصل کام میں لگے رہو۔ شیطان اس کام میں رکاوٹ ڈالتا ہے اسکی پروا نہ کرو۔"

مولانا محمد احمد حد درجہ محتاط بزرگ ہیں۔ اگر کسی چیز میں ذرا سی بھی کوئی ایسی چیز کی مشابہت پائی جائے جو شعائر اسلامی کے خلاف ہو وہ اسکا استعمال ہرگز نہیں کرتے۔ مثلاً مولانا اپنی تقاریر میں لاوڈ سپیکر تو استعمال کرتے ہیں لیکن وہ کالر مائیک کو اسلئے استعمال نہیں کرتے کہ اسکے لگانے سے ٹائی کا شائبہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ کیمرے کے بھی سخت خلاف ہیں۔ جہاں کیمرہ ہو گا وہاں یہ نہیں ہوں گے۔ بلکہ تقاریب میں انکی عدم شرکت کی ایک بنیادی وجہ کیمرہ بھی ہے کہ کہیں کوئی ان کی تصویر نہ لے لے۔ وہ اپنی سگی بھتیجی کی شادی سے اسلئے اٹھ کر چلے آئے تھے کہ نکاح پڑھانے کے موقع پر باراتی کیمرہ لئے ہوئے سامنے آگئے تھے۔ حالانکہ ان لوگوں کو مولانا کی طبیعت سے آگاہ بھی کیا گیا تھا۔ لیکن مولانا کے نکاح پڑھائے بغیر چلے آنے پر یہ لوگ خوب بگڑے۔ بڑی مشکل سے صورتحال پر قابو پانا پڑا۔

میرا اپنا واقعہ ہے کہ بیٹی کی رسم بسم اللہ کے لئے "موثر" ذریعوں سے ان سے استدعا کی۔ یعنی ان کے بڑے بھائی صاحب کے ذریعے درخواست کی گئی۔ جنہوں نے اس بات کی بھی یقین دہانی کرائی کہ کیمرہ نہیں ہو گا۔ بڑی مشکل سے راضی ہوئے۔ لیکن جب ان کے بھتیجے برادرم فیضان احمد انصاری انہیں لینے کے لئے گئے تو انہوں نے کہا "مجھے تو اب معلوم ہوا ہے کہ اس تقریب کے ساتھ ہی بچی کے چچا کا ولیمہ بھی ہے۔ اس موقع پر کیمرے ہر صورت میں ہوں گے۔ خواہ دور ہی ہوں۔" لہٰذا اس عذر کے ساتھ انہوں نے معذرت کر دی۔

مولانا نفیس طبیعت کے مالک ہیں۔ ایک بار ان کے قریبی مرید نے کچھ بزرگوں کی دعوت کی۔ مولانا بھی مدعو تھے۔ فرشی نشست تھی۔ لیکن دسترخوان نہیں بچھایا گیا۔ جب

Marfat.com

کھانا چنا جانے لگا تو آپ نے منع فرمادیا اور کہا "پہلے دستر خوان بچھاؤ۔" دستر خوان بچھایا گیا۔ پھر کھانا کھایا گیا۔ اس واقعے کے پس منظر میں مولانا کی نفاست طبع کے علاوہ سنت پر کاربند رہنے کا پہلو پیش نظر ہوگا کہ دستر خوان بچھا کر کھانا کھایا جائے۔ اسطرح انہوں نے ایک چھوٹی سی سنت چھوڑنے کو بھی پسند نہ کیا۔

مولانا محمد احمد نے جامعہ عباسیہ کے نامور شیوخ مولانا غلام محمد گھوٹویؒ، مولانا محمد صادقؒ، مولانا عبید اللہؒ، مولانا احمد علیؒ کے علاوہ دارالعلوم دیوبند میں مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بھی کسبِ فیض کیا انہوں نے مولانا مدنیؒ سے حدیث کا علم حاصل کیا تھا۔ دارالعلوم دیوبند میں دربار عالیہ کندیاں شریف کے موجودہ سجادہ نشین اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی امیر مولانا خان محمد، مولانا محمد احمد کے ہم درس اور قریبی دوست تھے۔

مولانا زمانۂ طالبعلمی ہی میں شرعی امور کے حوالے سے بہت ذہین تھے۔ جب وہ جامعہ عباسیہ میں زیر تعلیم تھے ان کی عمر بارہ تیرہ سال تھی کہ ایک دن ایک طالبعلم نے مولانا احمد علیؒ سے ان کے مجذوب مرشد کے حوالے سے سوال کیا "آپ کے پیر نماز نہیں پڑھتے .... کیوں؟ مولانا احمد علیؒ نے کہا "ان کا بڑا مقام ہے" اس پر محمد احمد صاحب نے جھٹ کہا "کیا ان کا رسول اللہ ﷺ سے بھی زیادہ مقام ہے؟" مولانا احمد علی نے اس بات پر محمد احمد کے زوردار تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا "تم بزرگوں کے بارے میں گستاخی کرتے ہو۔" آج کا انسان تو یہ کہے گا کہ استاد نے لاجواب ہونے پر تھپڑ رسید کیا۔ لیکن اس میں بھی حکمت تھی۔ استاد یہ بتانا چاہتے تھے کہ باطنیت کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا نہیں جاسکتا۔ آفرین ہے اس شاگرد پر کہ جس نے اس تھپڑ کی کسک کو محسوس کرنے کی بجائے اس میں لطافت اور ہدایت پائی۔ کیونکہ مولانا محمد احمد جب بھی گھر میں اس تھپڑ کا ذکر کرتے ہیں تو اس کو مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں اور استاد کی شفقت، عظمت اور ذہنی رسائی کے گن گاتے ہیں۔ مولانا محمد احمد آج جس مقام پر ہیں وہ اپنے استاد کی قدردانی اور ان کی جوتیاں سیدھی کرنے کے طفیل ہیں۔

Marfat.com

مولانا محمد احمد اب عمر پیری میں ہیں جوانی میں یقیناً دلکش و رعنا رہے ہوں گے۔ وہ نورانی صورت بزرگ ہیں۔ ان کا کھِلتا ہوا کتابی چہرہ، روشن آنکھیں، کشادہ پیشانی، خوبصورت داڑھی ان کی دلکش شخصیت کی غماز ہے۔ کسی زمانے میں وہ کسرتی بدن کے مالک ہوں گے مگر اب ان کا جسم بھرا بھرا ہے۔ ضعف اور گھٹنوں کی تکلیف کے سبب ان کی کمر قدرے جھک گئی ہے۔ ان کا قد درمیانہ ہے۔ آواز پاٹ دار ہے۔ صاف ستھرا لباس زیب تن کرتے ہیں۔ گرمیوں میں سفید کرتا شلوار، ململ کی ٹوپی اور سردیوں میں شلوار قمیض پر کشمیری کڑھائی والا علماء والا لمبا کوٹ پہنتے ہیں۔ سر پر رومال ہوتا ہے۔ وہ فرشتہ صورت بزرگ ہیں۔ وہ حکمت و تصوف، معنی و بیان اور تاریخ و تفسیر کے امام ہیں۔ ان کا بیان دلوں کو اپنی طرف کھینچتا محسوس ہوتا ہے۔ امت اور امت کا مقام ان کا خصوصی موضوع ہے۔ ان کا ہر بیان صحابہ کرام کے اذکار سے لبریز ہوتا ہے۔ وہ تاریخی حقائق کو اپنے بیانوں میں پیش کرتے ہیں۔ اس سے ان کی تاریخی بصیرت اور وسعت مطالعہ کا بھرپور ادراک کیا جاسکتا ہے۔

مولانا کا حفظ قرآن کا واقعہ بھی عجب ہے۔ انہوں نے کسی شخص یا ادارے سے قرآن پاک حفظ نہیں کیا۔ بلکہ جب آپ جامعہ عباسیہ میں استاد تھے عمر تقریباً پچاس سال تھی۔ تین آیتیں روزانہ لکھ کر لے جاتے۔ آنے اور جانے میں راستے کے دوران یاد کر لیتے تھے۔ اسطرح انہوں نے ادھیڑ عمری میں قرآن پاک کی تحفیظ مکمل کی۔

مولانا محمد احمد کے کچھ عزیزوں نے کوشش کر کے مولانا کو جامع مسجد دہلی کا امام ہوا دیا۔ اس اعزاز پر سب لوگ خوش تھے۔ ان کے والد بھی مطمئن تھے لیکن مولانا نے اس اعزاز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا "میں حکومت کے تابع نہیں رہنا چاہتا۔ آزاد رہنا چاہتا ہوں۔ جبکہ اس امامت کے قبول کرنے کے بعد بہت سی حکومتی پابندیوں کو بھی قبول کرنا پڑے گا۔"

مولانا محمد احمد فقیہہ عصر بھی ہیں۔ ایک بار پانچ چھ باشعور افراد نے آکر مولانا سے پوچھا "کیا اہل کتاب سے نکاح جائز ہے؟" مولانا نے کہا "نہیں" انہوں نے کہا "ہم اب

Marfat.com

تک تو یہ سنتے آئے ہیں کہ اہل کتاب سے نکاح جائز ہے" مولانا نے فرمایا "وقت اور حالات کے تحت مسئلہ بدل جاتا ہے۔ پہلے عورت مرد سے متاثر ہوتی تھی جس کی وجہ سے اس عورت کے دین اسلام میں آنے کا زیادہ امکان ہوتا تھا۔ جبکہ اب مرد عورت سے متاثر ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں مرد کا عورت کا مذہب اختیار کرنے یعنی مرتد ہونے کے امکانات زیادہ ہیں۔ اسلئے اہل کتاب سے بھی نکاح جائز نہیں۔"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مولانا بلند پایہ عالم دین ہیں تو انہوں نے تصنیف کی طرف توجہ کیوں نہ دی، مولانا نے ایک زمانے میں عربی میں ایک کتاب "الدعوة على منهاج النبوة" کے نام سے لکھی۔ جو کچھ عرب قطر لے گئے۔ یہ کتاب کئی سال تک سائیکلوسٹائل ہو کر عربوں میں تقسیم ہوتی رہی۔ پھر وہاں کسی ادارے کو اسکی اشاعت کا خیال آیا۔ انہوں نے ایک نقل مولانا کے پاس اصلاح کے لئے بھجوائی۔ آپ نے اصلاح کے بعد بھیج دی۔ اب دو تین سال پہلے قطر میں ہی زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔ مولانا محمد احمد کے فرزند کے مطابق عربوں نے اس میں معمولی سی ردوبدل بھی کی ہے۔ یعنی اپنے تئیں ایڈیٹنگ کی گئی ہے۔ یہ کتاب پندرہ بیس سال عربوں کے ہاتھوں میں رہ کر شائع ہوئی۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ "عہد رسالت میں اقامت دین اور اسکا طریقۂ کار" کے نام سے لاہور کے ایک ادارے عمیر پبلشرز نے شائع کیا ہے۔ اردو ترجمہ عربی سے پہلے چھپا ہے۔ اس کتاب کے حوالے سے ایک روایت ہے کہ جب یہ کتاب لکھی گئی اور تبلیغی جماعت کے لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ لوگوں کی توجہ مولانا کے شیخ مولانا محمد زکریاؒ کی تصنیف سے بھی بڑھ گئی۔ مولانا زکریاؒ چونکہ ان دنوں حیات تھے۔ کسی بزرگ نے اس صورتحال پر مولانا محمد احمد سے کہا "کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے شیخ سے بھی اوپر چلے جاؤ" اس اشارے کے بعد مولانا نے نہ صرف اپنی اس کتاب پر توجہ چھوڑ دی بلکہ تصنیف و تالیف کا ذوق رکھنے کے باوجود اس کام کو آگے نہیں بڑھایا جب مولانا کی تصنیف قطر سے چھپ کر آئی تو انہوں نے اس کی اغلاط کو جاننے کے لئے بھی اس کا مطالعہ نہیں کیا۔

Marfat.com

مولانا محمد احمد کے مرید خاص عبدالعزیز صاحب راوی ہیں کہ مولانا محمد زکریا" جو بھی کتاب یا رسالہ لکھتے پہلے مولانا محمد احمد کے پاس بغرض اصلاح و مشورہ بھیجتے تھے پھر کہیں جا کر وہ کتاب اشاعت کے مراحل طے کرتی۔

مولانا محمد احمد نے زمانۂ طالبعلمی میں نعتیں بھی کہیں۔ فارسی، عربی اور اردو کے نعتیہ اشعار بھی کہے جو ان کے بھائی مولانا محمد عثمان صاحب نے محفوظ کر لئے تھے لیکن کوئی صاحب ان سے وہ ڈائری لے گئے جو واپس نہ ہوئی۔ اور اب اس کا کچھ پتہ نہیں۔

مولانا محمد احمد جب تبلیغی دوروں پر بیرون ممالک جانے لگے تو ان کے والد نے انہیں ہدایت کی کہ وہ جہاں بھی جائیں وہاں کے حالات کے بارے میں انہیں تفصیل سے لکھیں مولانا نے اپنے والد کے حکم پر حرف بہ حرف عمل کیا۔ وہ اپنے خطوط میں اس ملک کے حوالے سے تفصیلات سے آگاہ کرتے۔ انہوں نے دنیا بھر میں دورے کئے تمام عرب ممالک جنوبی افریقہ، انگلستان، امریکہ، آسٹریلیا، تھائی لینڈ، ملائیشیا، انڈونیشیا، ترکی، ایران اور بنگلہ دیش وغیرہ کے سفرنامے نما خطوط محفوظ ہیں جن کا آغاز 1950ء سے ہوتا ہے۔ مولانا کے پانچ چھ اسفار کے خطوط محفوظ نہیں رہ سکے۔ اس کے علاوہ مصر کا سفرنامہ جو کہ خاصا ضخیم تھا کوئٹہ میں سامان نکالنے کے دوران کہیں گم ہو گیا۔ مولانا کے ان اسفار کو ان کے فرزند علی احمد انصاری نے صاف کر کے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ کراچی کے ایک اشاعتی ادارے کے مالک کو مولانا کے سفرناموں کا علم ہوا تو وہ لے گیا۔ یہ کتاب ابھی تک چھپ نہیں سکی۔ قیاس ہے کہ چار پانچ سو صفحات پر مشتمل ہو گی۔ ان سفرناموں میں عجائبات کے ذکر کے علاوہ بعض مقامات پر مولانا کے بیانات کا خلاصہ بھی شامل ہے۔

ایک بار مولانا ملک سے باہر گئے تو اپنے والد کے نام خط میں انہوں نے وہاں کے قدرتی مناظر کا نقشہ کھینچا۔ وطن واپسی پر ان کے ایک عقیدت مند نے ان سے اس خط کے حوالے سے کہا "آپ قدرتی مناظر کے بہت دلدادہ ہیں۔" مولانا نے فرمایا "ہم قدرت کے دلدادہ ہیں قدرتی مناظر کے نہیں" اس بات سے مولانا کی فکر اور نظریات و کردار کا

Marfat.com

بھرپور اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

مولانا کی زندگی علم و عمل سے مالا مال ہے۔ انہوں نے بہت سے اکابرین کو دیکھا ہے۔ دنیا بھر میں بہت سے عجوبے دیکھے ہیں۔ پھر اپنے ہی ملک میں بہت سی انہونی باتیں دیکھی ہیں جو ایک خودنوشت قلم بند کرنے کی متقاضی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ میں بھی مولانا سے کسی بزرگ نے کہا تھا کہ "آپ اپنے حالات خود ہی لکھ جائیں۔"

کاش! ایسا ہو جائے۔!!

استفادہ

۱۔ مولانا محمد عثمان انصاری

۲۔ ڈاکٹر حافظ محمد عبداللہ

۳۔ علی احمد انصاری

۴۔ عبدالعزیز

۵۔ حافظ عبدالرحیم

۶۔ حافظ محمد علی

Marfat.com

حضرت علامہ نور احمد قاسمی

ریواڑی ضلع گوڑگانواں کے ایک بزرگ حکیم حافظ ولی محمد کے جی میں آئی کہ جا کر اس شہر میں رہا جائے جہاں اسلامی قوانین نافذ ہوں۔ اس بزرگ نے اپنے خواب کی تکمیل کیلئے پورے ہندوستان کا چکر لگایا۔ جب وہ راجستھان کی ریاست ٹونک میں آئے تو انہوں نے اس خطے کو اپنے خوابوں کا جزیرہ پایا۔ انہوں نے دیکھا کہ نواب صاحب خود عالم، حاجی اور حافظ قرآن ہیں۔ وہ شرع کے پابند ہیں۔ ان کی ریاست میں غیر شرعی رسوم ورواج پر پابندی ہے۔ قبرستان میں کوئی بھی پکی قبر نہیں۔ محرم کے ایام، محترم و مکرم اور بدعات سے پاک ہیں۔ تعزیہ وغیرہ نہیں نکلتا۔ جو نکالنا چاہتا ہے وہ ہندو ریاست اندور میں جا کر نکالتا ہے۔ ریاست کے ہر ضلع میں ایک مفتی تعینات ہے جبکہ صدر مقام پر چار مفتی شریعت کی وضاحت کے لئے موجود ہیں۔ ان بزرگ کو یہ ریاست پسند آئی اور اس کے قصبے پڑاوا میں سکونت اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

14 نومبر 1923ء کو ان بزرگ کے ہاں ایک چاند سے بچے کی ولادت ہوئی جس کا نام نور احمد رکھا گیا۔ اس وقت کس کو معلوم تھا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر علامہ حکیم نور احمد قاسمی کے نام سے علم وحکمت کی کرنیں بکھیرے گا۔

حضرت قاسمی نے قرآن پاک دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل قاری انعام الحق

Marfat.com

سے پڑھا اور قرأت کی تعلیم بھی انہی بزرگ سے حاصل کی۔ پھر انہوں نے مدرسہ اسلامیہ پڑاوا میں فارسی پڑھنی شروع کر دی۔ قاری مختار الٰہی، قاری راغب حسن، مولانا محمود علی شاہجہانپوری اور قاری محمد اسماعیل گنگوہی آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔ انہوں نے 9 سال کی عمر میں گلستان پڑھی۔ صرف، نحو اور منطق کی کتابیں مفتی نصیر الدین سے پڑھیں۔

1941ء میں قاسمی صاحب کو دارالعلوم دیوبند تعلیم کیلئے بھیج دیا گیا۔ جہاں انہوں نے دورۂ حدیث کی کتابیں "موقوف علیہ دورہ" پڑھیں پھر دورۂ حدیث میں داخلہ لے لیا۔ 1945ء میں تعلیم مکمل ہوئی اسی سال آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ جن کے صدمے کے باعث آپ کی تعلیم کا حرج ہوا۔ لیکن پھر بھی آپ نے دورۂ حدیث میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ دارالعلوم کے مہتمم مولانا قاری محمد طیب نے آپ کو طب کی تعلیم کے لئے پٹیالہ بھیج دیا جہاں کے "بھوپندرہ طبیہ کالج" سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ اس دوران آپ حکیم نثار احمد صاحب کے مطب میں طب کی عملی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔

طب کی تعلیم کے بعد آپ کی صلاحیتوں کو جانچتے ہوئے قاری طیب صاحب نے آپ کو کرنال کے اقامتی مدرسہ جامعہ عظمتیہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے نامزد کر دیا۔ یہ مدرسہ پورے ہندوستان میں اپنی مثال آپ تھا۔ اعلیٰ قیام و طعام کا بندوبست تھا۔ تمام طلبہ کو تعلیم، رہائش، غذا سمیت تمام سہولتیں مفت فراہم کی جاتی تھیں۔ اس ادارے میں بارہ اساتذہ مزید تھے۔ دسمبر 1947ء تک آپ وہیں رہے لیکن تقسیم ہند کے سبب جب لوگ منتقل ہونے لگے تو 86 گھنٹے کا کرفیو لگا۔ دو ماہ مدرسہ بند رہا۔ 18 دسمبر کو اطلاع ملی کہ والد کا وطن میں انتقال ہو گیا ہے۔ لہٰذا پاکستان جانے والی ایک کانوائے کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ کانوائے نے آپ کو دہلی کے باہر چھوڑ دیا جہاں بڑے پیمانے پر فسادات ہو رہے تھے۔ آپ مسجد فتح پوری میں ٹھہر گئے۔ تمام رات زبردست فائرنگ ہوتی رہی۔ صبح کو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے قتل عام پر گاندھی نے مرن برت رکھ لیا ہے۔ قاسمی صاحب کہتے ہیں کہ گاندھی بہت چالاک تھا۔ اس کا یہ اقدام عیاری پر مبنی تھا۔

Marfat.com

اس دوران انہوں نے دہلی میں مولانا ابوالکلام آزاد کی دو تقریریں بھی سنیں ایک جامع مسجد میں دوسری لال قلعہ کے سامنے کی گئی تھی۔ قاسمی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا پنڈت جواہر لال نہرو مولانا آزاد کے آگے پیچھے پھر تا تھا۔

1948ء میں قاسمی صاحب نے دہلی ریلوے اسٹیشن کے قریب مولانا حسرت موہانی کو بھی دیکھا کہ وہ جھومتے جھامتے جارہے تھے۔ وہ تانگے کی بجائے پیدل سفر کرتے تھے۔

قاسمی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم جمعیت العلماء ہند دہلی کے دفتر میں بیٹھے آپس میں بحث کر رہے تھے کہ اب ہمیں اپنے نظریئے کو بدل کر پاکستان کی حمایت کرنی چاہئے بلکہ اسے مضبوط بنانا چاہئے۔ اس سلسلہ میں ہمیں ہجرت کر جانا چاہئے۔ ایک دوسرا گروہ ہمارے اس مؤقف کا مخالف تھا، اسی دوران پارلیمنٹ کے رکن اور جمعیت العلماء ہند کے مرکزی جنرل سیکریٹری مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی آگئے۔ انہوں نے شگفتہ لہجے میں پوچھا۔ ”بھئی! مولوی حضرات کیا بحث کر رہے ہیں؟“ قاسمی صاحب نے ساری بات کہہ سنائی تو اس پر مولانا سیوہاروی نے کہا کہ ”ہمارا اختلاف مسلم لیگ سے تھا اب ایک اسلامی مملکت تشکیل پا گئی ہے تو اس کی مخالفت بے معنی بات ہے۔ ہمیں اس کے ہاتھ مضبوط کرنے ہوں گے۔ علماء کو وہاں جانا چاہئے اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے وہاں کی حکومت کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔“ قاسمی صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا سیوہاروی نے بہت سے لوگوں کو پاکستان بھیجا کہ وہ جا کر ملک و قوم کی خدمت کریں۔ وہاں ان کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد کسی دیوبندی عالم نے اس کی مخالفت نہیں کی بلکہ یہاں اسلامی نظام کے قیام اور اسلامی معاشرہ کے احیاء کے لئے مساعی کی ہیں۔

علامہ نور احمد قاسمی صاحب جنوری 1948ء میں دہلی سے پڑاوا گئے۔ وہاں سوا سال قیام کے بعد 24 مئی 1949ء کو پاکستان کی ریاست بہاولپور میں آگئے یہاں آکر انہوں نے مطب کرنے کا ارادہ کیا۔ مولوی عبدالرحیم صاحب نے ان کی ملاقات ایک بریگیڈیر کے

Marfat.com

ذریعے مسلم لیگ کے صدر مخدوم غلام میراں شاہ سے کرائی وہ اس ریاست کی مقتدر سیاسی شخصیت تھے انہوں نے قاسمی صاحب کو پیش کش کی کہ آپ جمال دین والی آجائیں جہاں آپ کو زمینیں اور بھینسیں دی جائیں گی لیکن قاسمی صاحب بہاولپور سے کہیں اور جانے کے لئے تیار نہ تھے اس لئے غلام میراں شاہ کی پیشکش کو قبول نہ کیا۔

حکیم عبدالرشید (معروف ادیبہ بشریٰ رحمٰن کے والد) ریاست بہاولپور کے سب سے بڑے اور مہنگے طبیب تصور کئے جاتے تھے۔ بڑے بڑے رؤساء ان سے علاج کراتے تھے۔ قاسمی صاحب ان سے بغیر تنخواہ کے وابستہ ہو گئے۔ حکیم رشید صاحب مختلف طریقوں سے قاسمی صاحب کے ٹیسٹ لیتے رہے جب اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھ لیا اور اندازہ کر لیا کہ یہ درنایاب ہے تو انہوں نے قاسمی صاحب کو مطب پر بٹھانے کی پیشکش کی اور کہا کہ میں دو آدمی ایسے دوں گا جو آپ کو چھ چھ ہزار روپے سالانہ دیں گے ایک ہیں مخدوم شمس الدین گیلانی دوسرے مخدوم غلام میراں شاہ۔ آپ نے انہیں طلاء اور ماء اللحم دینا ہو گا۔ قاسمی صاحب کی حکیم صاحب سے رفاقت تین چار ماہ سے زیادہ نہ چل سکی۔ حکیم صاحب کی مخصوص طبیعت کے باعث قاسمی صاحب ان سے متنفر ہو گئے دوسری وجوہات کے علاوہ بڑی وجہ یہ تھی کہ اپنی بڑائی کے اظہار کے لئے انہوں نے قاسمی صاحب کو زکواۃ دینا چاہی جس پر انہیں غصہ آگیا اور حکیم صاحب کی بات سے دلبر داشتہ ہو کر مطب کا سلسلہ چھوڑ دیا۔

قاسمی صاحب جو عارضی پرمٹ پر پاکستان آئے تھے ان کا پاسپورٹ متعلقہ کلرک نے گم کر دیا۔ اس اثناء میں مولانا قاری طیب صاحب کے بھائی طاہر قاسمی صاحب جو ان دنوں بہاولپور آئے ہوئے تھے۔ انہیں دربار محل کے پاس ملے انہوں نے تانگہ روکا۔ انسپکٹر مدارس مولوی جمیل الدین ان کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے حال احوال پوچھا۔ حکیم نور احمد قاسمی صاحب نے دونوں بزرگوں کو ساری رام کہانی کہہ سنائی جس پر انہوں نے کہا کل درخواست لے کر دفتر آجائیں۔ یہ گئے۔ اور ان کی محکمہ تعلیم میں تقرری ہو گئی۔ انہیں لیاقت پور میں تعینات کیا گیا وہاں نہیں گئے پھر بہاولپور میں ہی مدرسہ سعدیہ، جو کہ مڈل

Marfat.com

سکول تھا، میں تقرری کی گئی پھر رفیق مڈل سکول میں رہے آپ کا سکیل فاضل دیوبند کا تھا بعد ازاں اس سکیل کی ترقی بند کر دی گئی۔

قاسمی صاحب نے معاشی جدوجہد کے ساتھ ساتھ علمی سفر بھی جاری رکھا اور یوں ترقی کی منازل طے کرتے چلے گئے۔ آپ نے 1953ء میں جامعہ عباسیہ بہاولپور سے علامہ کی ڈگری لی۔ اسی سال میٹرک کیا، 1958ء میں ایف اے کیا، 1962ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ 1963ء میں بی ایڈ کیا، 1965ء میں اسلامیات میں ایم اے کیا، 1966ء میں عربی اور 1967ء میں فارسی میں ایم اے کئے جبکہ 1967ء میں بی ایم ایڈ کیا۔

قاسمی صاحب 7 دسمبر 1966ء سے گورنمنٹ ٹیکنیکل ہائی سکول بہاولپور میں مدرس کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیتے رہے اور 1983ء میں یہیں سے سولہویں سکیل سلیکشن گریڈ میں ریٹائر ہوئے۔

جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے شیخ الجامعہ مولانا حامد حسن بلگرامی نے انہیں استاد کی حیثیت سے ملازمت کی پیشکش کی۔ قاسمی صاحب نے احباب سے مشورے کئے۔ مولوی عبدالحمید رضوانی استاد جامعہ نے انہیں بتایا کہ اگر وہ جامعہ کی ملازمت اختیار کریں گے تو ان کی سابقہ ملازمت ضائع جائے گی۔ سروس بک میں یہ شامل نہیں ہو گی۔ اس خیال کے پیش نظر قاسمی صاحب نے یہ ملازمت قبول نہ کی ورنہ وہ جامعہ میں صدر شعبہ سے بڑے عہدے تک پہنچ سکتے تھے۔

قاسمی صاحب کو فارسی زبان پر عبور حاصل ہے اس کے علاوہ وہ انگریزی، اردو اور عربی میں بھی درک رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا زیادہ تر تصنیفی کام عربی و فارسی زبانوں میں ہے۔ انہوں نے فارسی کی گرائمر لکھی جو نظر ثانی کے لئے ممتاز عالم دین قاضی رشید احمد صاحب کو دی مگر وہ انہوں نے گم کر دی۔ قاضی رشید صاحب فارسی بہت زیادہ نہیں جانتے تھے لیکن انہوں نے یہ بات قاسمی صاحب کو نہیں بتائی ورنہ قاسمی صاحب شاید یہ کتاب کسی

Marfat.com

اور کو نظر ثانی کے لئے دیتے اور وہ محفوظ رہ جاتی۔ اس کے بعد انہوں نے فارسی کی مفصل گرائمر "تیسیر المبتدی" لکھی۔ ان کی اردو گرائمر کی کتاب بھی چھپ چکی ہے انہوں نے عربی گرائمر کا ترجمہ کیا جس کی تقریظ سابق شیخ الجامعہ مولانا ناظم ندوی اور مولانا عبید اللہ نے لکھی۔ عربی اردو لغت المنجد کے مرتبین میں بھی آپ کا نام شامل ہے۔ مفتی شفیع صاحب آپ کے استاد تھے۔ انہوں نے آپ کو 'ق' سے لے کر 'ے' تک کے الفاظ دیئے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے طب کے موضوعات پر بھی مضامین لکھے۔

قاسمی صاحب کو مذہبی علوم کا گہرا شعور حاصل ہے اس کے علاوہ ان کا قدیم و جدید فارسی کتب کا مطالعہ بھی وسیع ہے۔ اردو میں انہوں نے کلاسیکل ادب کو پڑھا ہے انہیں اردو اساتذہ کے شعر یاد ہیں لیکن اس سے کہیں زیادہ فارسی شعراء کا کلام یاد ہے۔ وہ غالب کو بہت بڑا شاعر مانتے ہیں۔ لیکن اقبال کی فکر سے بہت متاثر ہیں فرماتے ہیں کہ "شعراء میں اقبال سب سے اچھے ہیں ان کے کلام میں اصلاح کی بہت صلاحیت ہے۔ اقبال کا کلام دین کے سلسلہ میں بہت بڑی خدمت ہے۔"

قاسمی صاحب کو قائداعظم محمد علی جناحؒ سے ملاقات کا شرف حاصل ہے۔ 1945ء میں جن دنوں وہ پٹیالہ میں بھوپندرہ کالج میں تھے۔ قائداعظم شملہ جارہے تھے یہ خبر قاسمی صاحب نے سنی تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پروگرام بنایا کہ قائداعظمؒ سے ملا جائے چنانچہ وہ انہیں گاڑی میں ملے۔ قائداعظمؒ نے انہیں نصیحت کی۔

Work, work and work. And you are bound to succeed.

قاسمی صاحب تحریک پاکستان کے حوالے سے لکھی گئی کتب سے مطمئن نہیں۔ فرماتے ہیں "جو واقعات ہم نے دیکھے وہ اور تھے اور جو تاریخی کتب میں ہیں وہ اور ہیں، توڑ مروڑ کر اور بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے۔"

قاسمی صاحب درویش منش ہیں۔ وہ ہجرت کر کے پاکستان آئے تو انہوں نے کلیم داخل نہیں کرایا بلکہ کچھ عرصہ بعد پانچ ہزار روپے میں مکان خریدا۔

Marfat.com

قاسمی صاحب ایک شفیق استاد بھی ہیں۔ مجھے بھی ان کا شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ میٹرک میں وہ ہمیں اسلامیات پڑھاتے تھے۔ کسی کو سزا نہیں دیتے تھے۔ بعض بھگوڑے ان کی نرمی سے فائدہ اٹھا کر بھاگ جاتے تھے۔ ہاں البتہ کوئی زیادہ شرارت کرتا اور کلاس میں نظم و ضبط کا مسئلہ پیدا ہوتا تو مجبوراً شراتی کو ایک یا دو بید رسید کرتے۔ وہ دلنشین انداز میں لیکچر دیتے تھے۔

قاسمی صاحب مچھلی بازار کی ایک مسجد عثمانیہ میں انیس سال سے خطیب ہیں۔ قبل ازیں اسی بازار کی ''اونچی مسجد'' میں 16 سال خطیب رہے۔ آپ ہمیشہ یہ خدمت بلا معاوضہ انجام دیتے ہیں۔ وہ بہترین طبیب ہیں۔ اکثر مفت علاج کرتے ہیں اب وہ کئی سالوں سے سیٹلائٹ ٹاؤن میں مقیم ہیں پہلے وہ روز دو گھنٹے اپنے پرانے گھر میں مریضوں کو دیکھنے آتے تھے۔ ضعیف العمری کے باوجود روزانہ بائیسکل پر آتے تھے۔ اب ناسازیٔ طبع کی بناء پر یہ تسلسل برقرار نہیں رہ سکا۔ اس لئے گھر پر ہی نسخے لکھ کر دیتے ہیں۔

قاسمی صاحب آج کل جماعت اسلامی کے زیر اہتمام چلنے والے مدرسہ احیاء العلوم میں فقہ و حدیث، اصول فقہ اور منطق کی تعلیم دیتے ہیں۔

قاسمی صاحب فرشتہ صورت، فرشتہ سیرت بزرگ ہیں ان کی زبان میں اخلاص اور دل میں دین کا درد ہے۔ ان کا قد دراز، بدن چھریرا، آنکھیں شفاف، پیشانی کشادہ، ناک ستواں، رنگت صاف، داڑھی سفید، چہرہ شاداب و آفتاب ہے، وہ سر پر کلاہ کے اوپر سفید پگڑی باندھتے ہیں۔ ضعیفی کے باعث ان کی کمر جھک سی گئی ہے ان کی آواز ہمیشہ سے دھیمی اور لہجہ حریری ہے۔ وہ سرتاپا مشروع متشرع بزرگ ہیں۔ تمام علماء ان کے مرتبے کا احساس کرتے ہوئے ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ وہ دینی و دنیاوی علوم کا حسین امتزاج ہیں۔ قحط الرجال کے اس دور میں ان کا دم غنیمت ہے۔ خدا انہیں تادیر سلامت رکھے۔ (آمین)

Marfat.com

حضرت پیر جی سید شریف الرحمٰن

کرنال کے ایک بزرگ پیر جی قاری فتح الرحمٰن کی شادی کے دس سال بعد اللہ نے اولاد کی نوید سنائی تو ایک بزرگ خاتون نے پیدا ہونے والے بچے کے مقام و مرتبے کے بارے میں پیش گوئی کی۔ اور جب یہ بچہ پیدا ہوا تو شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے خوب خوشیاں منائی گئیں۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ اللہ نے اس وقت اولاد نرینہ سے سرفراز کیا تھا جب انسان تقریباً مایوس ہو جاتا ہے اور حسرت جگہ گھیرنے لگتی ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی اس بچے کی ننھیال میں ایک لڑکے کے سوا سب کے ہاں لڑکیاں ہی لڑکیاں تھیں۔ اسطرح یہ اپنے خاندان میں دوسرا بچہ تھا جس کے سبب پورے خاندان میں مسرت و انبساط کی لہر دوڑ گئی۔ اس بچے کا نام شریف الرحمٰن رکھا گیا۔

پاکیزہ طبع ماں بچے کی صفائی ستھرائی اور آرائش و زیبائش پر پوری توجہ دیتیں۔ اسکی ہر طرح سے دیکھ بھال کی جاتی۔ محبت و شفقت کے گلاب نچھاور کئے جاتے۔ جب ننھا شریف الرحمٰن ذرا بڑا ہوا تو اہل خانہ نے محسوس کیا کہ یہ بچہ مجذوبانہ خصائص لئے ہوئے ہے لہذا اسکی دیکھ بھال میں اضافہ ہو گیا۔ تھوڑا سا اور بڑا ہونے پر والد محترم نے قرآن حکیم کی تعلیم دینی شروع کر دی۔ لیکن اس دوران کچھ غیر معمولی باتیں ظہور پذیر ہونی شروع ہوئیں۔ کہ کم سن شریف الرحمٰن کم گو ہیں لیکن جب کوئی بات منہ سے نکالتے ہیں وہ پوری ضرور ہوتی ہے۔

Marfat.com

شریف الرحمٰن بچپن کی حدود سے نکل کر لڑکپن کے دائرے میں آگئے تھے والد کے زیر تربیت تھے۔ استغراق کے عالم میں رہتے تھے لیکن وقت سے بے خبر نہیں جب بھی کسی نے وقت پوچھا بغیر گھڑی کا سہارا لئے بتا دیا اور یہ خصوصیت آج تک قائم ہے کسی نے علی الصبح اٹھانے کو کہا تو ٹھیک مقررہ وقت پر بیدار کر دیا۔ اہل خانہ تو ان کی ایسی باتوں کے عادی ہو چکے تھے البتہ اجنبی متحیر ضرور ہوتے۔

شریف الرحمٰن صاحب نے والد سے باتجوید قرآن کریم ناظرہ پڑھا تھا اور کسی قدر لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا۔ اب وہ بلوغت کی عمر سے بھی تجاوز کر گئے تھے۔ ان کی مستغرقانہ کیفیت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ راہ سلوک کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ ہر وقت مسجد میں رہتے تھے یا پھر لوگوں کے کاموں میں مدد کر دیتے تھے۔

پاکستان بن گیا۔ شریف الرحمٰن صاحب کے خاندان کو ہجرت کا صدمہ سہنا پڑا۔ یہ امرتسر میں خاندان سے بچھڑ گئے۔ اپنے ایک نو مسلم طالب علم ساتھی کے ہمراہ یہ سفر اختیار کیا۔ قافلے کو سکھوں نے تہہ تیغ کر دیا۔ نو مسلم بھی سکھوں کے نزدیک مارے گئے۔ لیکن خدا کی شان وہ شدید زخمی ہو کر بچ گئے اور بعد میں پاکستان کے ایک ہسپتال میں زیر علاج رہے۔ ادھر پیر جی شریف الرحمٰن کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ پھر وہ اچانک ہی نمودار ہوئے اور اپنے والدین سے آملے۔ انہوں نے ہجرت کا سفر کس طرح طے کیا۔ کس طرح آگ اور خون کے سمندر کو عبور کیا۔ یہ ایک سربستہ راز ہے۔ جو اللہ اور ان کے علاوہ کسی اور کو پتہ نہیں۔ اس راز پر ان کی خاموش طبیعت اور مجذوبیت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔

شریف الرحمٰن صاحب کے والد قاری فتح الرحمٰن صاحب احمد پور شرقیہ آگئے۔ ان کے فیوض و برکات کا یہاں سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ اسٹیشن والی مسجد میں امامت کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے قاری شریف صاحب کو ہمراہ ہی رکھا یہ تمام دن مسجد میں ہی رہتے۔ گھر ضرورت کے تحت آتے تھے۔ والد کی عدم موجودگی میں امامت فرماتے۔

پیر جی شریف الرحمٰن صاحب کے والد کا دستور تھا کہ وہ چھٹیوں کے موقع پر

Marfat.com

پنجاب میں پھیلے ہوئے اپنے شاگردوں کے پاس جاتے تھے۔ کیونکہ وہ انہیں سال بھر تقاضوں سے بلا رہے ہوتے تھے۔ ایک بار گرمیوں کی چھٹیوں میں قاری فتح الرحمٰن صاحب حسب دستور مختلف شہروں کے دورے پر نکلے۔ بار امامت شریف صاحب کے کاندھوں پر تھا۔ لیکن ہوا کیا یہ اچانک غائب ہو گئے۔ کچھ دن تو کسی نے دھیان نہ دیا پھر تلاش شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ تین ماہ کی چھٹیوں کے بعد قاری فتح الرحمٰن صاحب واپس آ گئے۔ انہوں نے ڈھونڈنے کے عمل کو تیز کر دیا۔ لیکن کہیں بھی کوئی سراغ نہ ملتا تھا۔ ان کی گمشدگی کو چار یا چھ ماہ بیت گئے۔ ایک روز والد اور دوسرے لوگ تلاش کرتے کرتے اسٹیشن سے دوسری جانب کھیتوں میں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ شریف صاحب استغراق کے عالم میں بیٹھے ہیں۔ قیام کی جگہ واضح طور پر اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ آپ کا قیام یہاں خاصے عرصہ سے ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ کوئی بھی شہادت ایسی نہیں ملی کہ جس نے انہیں بیٹھا دیکھا ہو۔ جبکہ ہرے بھرے کھیت کسانوں کی محنت اور توجہ کا شاخسانہ تھے۔ اس راز سے بھی خدا ہی باخبر ہے کہ ان کی خوراک کا بندوبست کس طرح ہوتا تھا اور وہ کیا کھاتے تھے۔ ان کا حلیہ بہتر نہ تھا۔ سر، داڑھی اور مونچھوں کے بال بڑھے ہوئے تھے ناخن بھی کافی بڑے ہو گئے تھے۔ والد نے انہیں لے جانا چاہا لیکن یہ یہاں سے نہ ہلنے پر مصر تھے کسی اور میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ کوئی ان کی مرضی کے خلاف کچھ کہے۔ والد نے بے پناہ شفقت و محبت کا اظہار کیا۔ آخر ان کی محبت و ریاضت کام آئی۔ وہ والد کے ہمراہ چلنے پر آمادہ ہو گئے بڑی مشکل اور حکمت سے ان کے بال اور ناخن کاٹے گئے۔ کپڑے بدلوائے گئے۔

اس غیابت کے بعد ان میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہو گئی تھیں۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ خاموش ہو گئے تھے۔ سٹیشن والی مسجد کو چھوڑ کر اپنے محلّہ میں واقع مسجد اللہ والی میں ڈیرے ڈال لیئے۔ گھر برسوں بعد آتے۔ تمام وقت مسجد میں گزارتے۔ ان کی داخلی حدت میں اس حد تک اضافہ ہو گیا کہ وہ سخت سردیوں کی راتوں میں مسجد کے صحن میں ایک باریک قمیض میں عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے یا آرام کرتے تھے۔ صرف یہی نہیں ٹھٹھرتی

Marfat.com

راتوں میں یخ بستہ پانی سے نہاتے تھے۔ ان کا یہ عمل آج بھی ہے کہ رات کو اٹھ اٹھ کر کئی بار نہاتے ہیں۔

پیر جی شریف صاحب کی عشق و مستی کی کیفیت سے ہر شخص باخبر تھا۔ نہ یہ کسی سے بات کرتے اور نہ کوئی ان سے بات کرنے کی ہمت کرتا۔ مسجد اور یہ لازم و ملزوم تھے۔ پہلے تو مسجد کے منتظمین باہر سے تالا لگا جاتے۔ کہ یہ کہیں چلے جائیں اور کوئی چور اچکا مسجد کا نقصان نہ کر جائے پھر کچھ عرصہ بعد انہوں نے یہ سلسلہ ترک کر دیا اور پیر جی کو ہی مسجد کا امام مقرر کر دیا۔ انہوں نے بھی اس منصب کو قبول کر لیا۔ اور بتیس سال اس فرض کو ادا کیا۔

شریف صاحب کے گھر اور مسجد کا فاصلہ چند قدموں سے دور نہ تھا۔ لیکن آپ مسجد سے نکلتے ہی نہ تھے۔ دو دو تین تین سال گزر جاتے تھے۔ پھر اچانک ہی کچھ دیر کے لئے گھر آجاتے تو گھر میں جشن کا سا سماں ہوتا۔ سب کی سنتے تھے۔ لیکن خود اسوقت بولتے جب نہایت ضروری بات کرنی ہوتی۔

پیر جی کی زندگی میں ایک اہم موڑ اسوقت آیا کہ جب آپ جھلس گئے۔ ہوا یوں کہ آپ غسل خانے میں نہانے کے دوران گر گئے۔ چوٹیں آئیں۔ بعد میں مسجد کے صحن میں ان کی سکائی کرنے لگے کہ ان کی تہمد کو آگ نے پکڑ لیا۔ تہمد کو اس غرض سے نہیں کھولا کہ اس سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی تھی۔ بس ہاتھوں سے آگ بجھانے کی کوشش کرتے رہے۔ آگ تو نہ بجھی بلکہ ہاتھ بھی زد میں آگئے۔ کمر اور ٹانگیں بری طرح جھلس گئی تھیں۔ لیکن صبر اتنا کہ ذرا سی بھی 'سی' نہیں کر رہے۔ یہ صبح 9 '10 بجے کا وقت تھا۔ اتفاق سے محلے کے ایک دو بچے مسجد گئے تو وہ یہ منظر دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے۔ فوراً گھر آئے اور کہا کہ "حضرت صاحب کو آگ لگ گئی ہے وہ جل رہے ہیں" اہل محلہ دوڑتے ہوئے آئے۔ آگ بجھائی۔ ڈاکٹر کا بندوبست کیا پھر ہسپتال لے گئے۔ بری طرح جلنے کے باعث جلی ہوئی کھال جلد سے جدا کرنی تھی جو سخت تکلیف دہ عمل تھا۔ ڈاکٹر نے سُن کرنے کے لئے انجکشن لگانا چاہا لیکن چونکہ رمضان المبارک کا مہینہ اور جمعہ کا دن تھا۔ آپ کا روزہ تھا۔ اس لئے آپ نے انجکشن

Marfat.com

لگوانے سے انکار کر دیا کہ کہیں روزہ قضا نہ ہو جائے۔ گرچہ شریعت میں اسکی اجازت ہے لیکن اللہ والوں کی شان اور ہوتی ہے۔ وہ تو زہد و تقویٰ کا پیکر ہوتے ہیں۔ ان کے لئے عبادت کے آگے ہر تکلیف ہیچ ہوتی ہے۔ وہ انہی آزمائشوں سے گزر کر کندن بنتے ہیں پھر حاصل کئے گئے مقام کو بر قرار رکھنا بھی ایک بڑی آزمائش ہوتی ہے۔ ذرا سی لغزش یا بھی ان کی برسوں کی ریاضت پر پانی پھیر دیتی ہے............ پیر جی نے ٹیکہ نہ لگوایا اور ڈاکٹر نے طبی تقاضے کے تحت جلی ہوئی کھال کو چھیلا۔ لیکن آپ نے یہ سب کچھ صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ نے اف تک نہیں کی۔ اور نہ ہی چہرے پر کرب کے آثار تھے۔

ہسپتال سے واپسی کے بعد آپ کو آرام کی خاطر مسجد سے ملحق خالی بیٹھک میں ٹھہرایا جاتا ہے۔ پورا شہر عقیدت مند ہے۔ لیکن ایک خاص عقیدت مند محمد اکرم قریشی پیش پیش ہے۔ حضرت صاحب کا جلنا اسکے لئے سوہان روح ہے۔ وہ خدمت پر مامور ہے۔ پھر جمعۃ المبارک کی نماز کی ادائیگی کے بعد دوبارہ آتا ہے۔ تو بستر پر پڑے پڑے پوچھتے ہیں۔
"نماز ہو گئی؟" جواب ملتا ہے "جی ہاں" آپ رونے لگتے ہیں۔
وہ پوچھتا ہے "حضرت! کیا بات ہے تکلیف زیادہ ہے؟"
"نہیں بھئی! تکلیف کی بات نہیں۔ آج 32 سال میں پہلا موقع ہے میں نے امامت نہیں کرائی۔"

پیر جی مہینوں صاحب فراش رہے۔ بستر سے اٹھ نہیں سکتے تھے۔ چونکہ جسم کا پچھلا حصہ جلا تھا اس لئے ڈاکٹر نے منہ کے بل لیٹنے کی ہدایت کی تھی۔ لیکن آپ ایسا نہ کرتے۔ سیدھے ہی لیٹتے تکالیف سہتے لیکن شرعی حکم کی خلاف ورزی نہ کرتے کہ کہیں تقویٰ پر زد نہ پڑ جائے۔ صحت یابی کے بعد بھی وہ صحیح طور پر صحت یاب نہ تھے۔ ان کی ٹانگ کے پٹھے اکڑ چکے تھے لہٰذا امامت کرانے کے قابل نہ تھے۔ اس لئے 32 سال مسلسل امامت کے بعد اس فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ اب ان کے اندر کچھ تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ ایک تو ان کی مکمل

Marfat.com

خاموشی میں کمی آگئی۔ یعنی اگر کسی نے کوئی بات کی تو مختصراً جواب دے دیا۔ یا کسی ضرورت کا اظہار کر دیا۔ دوسرا یہ کہ ملنے ملانے اور کہیں آنے جانے بھی لگے تھے۔ ان کی کامل محویت اور استغراق کا دورانیہ بھی کم ہو گیا۔

پیر جی سید شریف الرحمٰن صاحب نے 32 سال مسجد اللہ والی میں امامت کرائی لیکن وقت کی اتنی پابندی کہ لوگ گھڑیوں کو بھول جائیں۔ اگر انہیں کہیں اتفاقاً جانا ہوتا اور وہ اپنی مسجد سے بہت دور ہوتے تب بھی ٹھیک نماز کے وقت مسجد میں موجود ہوتے۔ ان کے پاس گھڑی نہیں ہے۔ انہوں نے کبھی بھی اسکا سہارا نہیں لیا۔ پھر بھی وقت کی پابندی میں بے مثال ہیں۔ وہ آج جماعت نہیں کراتے لیکن نماز وقت پر پڑھتے ہیں۔ وہ فجر کی نماز اول وقت پر پڑھتے ہیں تہجد آدھی رات کو ایک تا دو بجے تک۔ ان کے بھائی قاری سید عبدالقدیر صاحب فرماتے ہیں کہ "وہ ہماری نمازوں کے اوقات کار سے مطمئن نہیں ہیں۔ اس لئے فرض نماز ہمیشہ اول وقت پر ادا کرتے ہیں۔" جب وہ امامت کراتے تھے تو مروجہ نظام کے تحت کیونکہ جس علاقے کی مسجد میں نماز پڑھاتے تھے وہ ناخواندہ لوگوں کی تھی۔ اور لوگوں کی سہولت بھی پیش نظر تھی۔ اب جبکہ اپنے شرعی عذر کے سبب انہیں بیشتر اوقات اپنی نماز ادا کرنی پڑتی ہے تو وہ اول وقت میں ہی ادا کرتے ہیں اور جب جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں تو کرسی پر بیٹھ کر ادا کرتے ہیں۔

سید شریف الرحمٰن صاحب جو کچھ زبان سے ادا کرتے ہیں وہ ہو جاتا ہے۔ وہ کھل کر بات نہیں کرتے صرف اشارۃً کہتے ہیں۔ ایسے بے شمار واقعات زبان زد خاص و عام ہیں۔ چند پیش خدمت ہیں۔ ابھی حال ہی میں پیر جی کے بھائی قاری عبدالقدیر صاحب مسجد کے تعمیراتی کاموں کے سلسلہ میں گاڑی کا بندوبست کر کے بہاولپور جانے لگے تو پیر جی نے چلتے ہوئے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے تفصیل بتائی۔ جواباً کہا "اجی چھوڑو، کوئی فائدہ نہیں" قاری صاحب اپنے بھائی کے مزاج سے واقف تھے اس لئے ٹھٹھک گئے لیکن دنیاوی حجت کے طور پر عازم سفر ہوتے ہوئے دعا کی درخواست کی۔ پیر جی نے پھر کہا "چھوڑو جی"

Marfat.com

قاری عبدالقدیر صاحب روانہ ہو گئے۔ تمام دن کوشاں رہے لیکن کوئی بھی کام نہیں ہوا۔

پیر جی کے ایک عقیدت مند بہاولپور جانے لگے میڈیکل کالج کی واک کے سلسلہ میں دو وزیروں نے آنا تھا۔ انہیں ان میں سے ایک وزیر سے کام تھا۔ جانے سے قبل معتقد نے حضرت صاحب کو اپنا کام بتایا تو آپ نے فرمایا "چلو تفریح تو ہو جائے گی، گھوم پھر آنا" وہ صاحب واک میں گئے لیکن وزیر نہیں آیا۔ واپسی پر آکر انہوں نے شکایتاً کہا "حضرت صاحب! کھل کر بتا دیتے۔ آپ نے ویسے ہی چکر لگوایا" فرمایا "سمجھنے والے سمجھ جاتے ہیں۔ چلو تمہاری تفریح تو ہو گئی" ایک بار یہی معتقد کراچی جانے لگے تو حاضری دی۔ انہوں نے پوچھا کس گاڑی سے جا رہے ہو؟ بتایا "زکریا ایکسپریس سے" کہا "تمہاری مرضی ہے خیبر میل اچھی تھی یہ بار بار جنگلوں میں رکتی ہے۔" چونکہ ٹکٹیں بک تھیں اسلیئے یہ صاحب زکریا سے گئے۔ اور راستے میں وہی کچھ ہوا جس کی نشاندہی پیر جی نے کی تھی یعنی گاڑی کئی جنگلوں میں طویل وقفوں کے لئے رکی۔ یہاں یہ امر بھی محل نظر ہے کہ پیر جی سید شریف الرحمٰن سفر کرتے نہیں۔ پھر بھی گاڑیوں کے ناموں اور ان کی صورتحال کا علم ہے۔

ایک اور عقیدت مند کا قصہ ہے کہ ملاقات پر آپ نے اس سے دریافت فرمایا کچھ پریشان لگتے ہو۔ اس نے اقرار کرتے ہوئے اپنے مسائل سے آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا "خیرات کرو۔ تم پر مزید پریشانی آنے والی ہے۔" وہ سستی کا شکار ہو گیا۔ تین دن بعد آپکی اس سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو آپ نے خیرات کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے کہا اگلے ہفتے کروں گا۔ ابھی ہفتہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ اسکی دکان تباہ ہو گئی، بجلی کٹ گئی۔ اسکے علاوہ اسے دوچار اور اقتصادی نقصانات سے دوچار ہونا پڑا۔ اب وہ پچھتایا کہ اس نے حضرت کے فرمان پر عمل کرنے میں کیوں سستی برتی۔

سرجن ڈاکٹر غلام حسن پیر جی کے جلنے کے واقعہ کے بعد معالج تھے۔ وہ حضرت کے کمالات سے ناآشنا تھے۔ لوگوں کی والہانہ عقیدت مندی پر متعجب تھے۔ لیکن جب وہ خود میڈیکل کا کوئی امتحان دینے لگے تو آپ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے دعا کے بعد کہا

Marfat.com

"ابھی دیر ہے" نتیجہ آیا۔ ڈاکٹر غلام حسن ناکام ہو گئے۔ انہوں نے دوبارہ امتحان دیا پھر دعا کرائی۔ لیکن اس بار حضرت نے دعا کے بعد کچھ نہ کہا۔ اس بار ڈاکٹر صاحب کامیاب ہو گئے۔ پہلے وہ علی پور ہسپتال میں ایم ایس تھے۔ اب کسی اور شہر میں ہیں لیکن حضرت کا دل و جان سے احترام کرتے ہیں۔

ایک عقیدت مند نے ایک طالبعلم کو دیکھا کہ پیر جی سے ملاقات کے بعد الٹے پاؤں واپس جاتا ہے جب تک حضرت نظروں سے اوجھل نہیں ہو جاتے وہ اس عمل کو بر قرار رکھتا ہے۔ اس عقیدت مند نے طالبعلم کے اس معمول کو دیکھ کر ایک روز کہا "کیا تم پاگل ہو جو ایسا کرتے ہو؟" اس نے کہا "تمہیں ان کے مقام کا پتہ نہیں۔ مجھ پر الٹے پاؤں چلنا واجب ہے۔ کیونکہ میں کند ذہن تھا۔ جس کے سبب مجھے پڑھنے میں دقت پیش آتی تھی۔ کچھ یاد نہ ہوتا تھا۔ میں نے حضرت سے دعا کی درخواست کی۔ انہوں نے دعا فرمائی۔ امتحان کے بعد نتیجہ آیا تو میں اچھے نمبروں سے کامیاب ہوا"

پیر جی شریف الرحمٰن صاحب کے بہت سے ایسے واقعات مشہور ہیں جنہیں انسانی عقل تسلیم نہیں کرتی۔ آپ کو بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جنہوں نے ایک ہی وقت میں انہیں مختلف مقامات پر دیکھا ہے۔ ایک بار ایک شخص نے انہیں بہاولپور ویگن سٹینڈ پر دیکھ کر اپنی گاڑی میں احمد پور چلنے کی پیش کش کی۔ آپ نے فرمایا تم چلو میں آرہا ہوں۔ وہ انہیں کھڑا چھوڑ گیا۔ احمد پور پہنچا۔ عصر کی نماز کا وقت تھا۔ دیکھا آپ نماز عصر پڑھا رہے ہیں۔ وہ شخص ہکا بکا کہ یہ کیسے پہنچے کیونکہ وہ خود تیز رفتار کار پر آیا تھا۔ جبکہ یہ اگر ویگن پر بھی آتے تو اسکے مقابلے میں اتنی جلدی نہ پہنچ سکتے تھے۔ اور ویگن سٹینڈ سے مسجد تک کا سفر بھی تو تھا۔

احمد پور شرقیہ میں کئی لوگ ایسے ملیں گے جو حج پر گئے۔ مقامات مقدسہ پر پیر جی کو زیارت کرتے بچشم خود دیکھا۔ جب احمد پور واپس آئے تو آپ سے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا "میں یہیں تھا" وہ لوگ کہتے "آپ اقرار کیوں نہیں کر لیتے کہ آپ وہاں تھے کیونکہ ہم آپ کو فلاں مقام پر ملے تھے۔" یہ ایسا معمہ ہے جس سے اہل نظر ہی باخبر ہیں۔ اس ضمن میں

Marfat.com

ایک واقعہ پیش خدمت ہے جو اسی سال پیش آیا۔ ان کے پاس کچھ لوگ پجارو پر آئے جو شکل و صورت سے سندھی وڈیرے معلوم ہوتے تھے آتے ہی عقیدت و احترام سے کھڑے ہو گئے۔ ساتھ چلنے کی درخواست کی آپ نے انکار کیا انہوں نے پھر درخواست کی لیکن آپ نے پھر انکار کیا۔ قریب موجود دو تین معتقدین نے کہا "حضرت یہ اصرار کر رہے ہیں تو آپ چلے جایئے"۔ آپ نے پوچھا "چلا جاؤں؟" عقیدت مندوں نے کہا "ہاں جانے میں کیا حرج ہے کیونکہ یہ لوگ بڑی محبت اور اصرار سے کہہ رہے ہیں" آپ چلے گئے۔ تین چار روز نظر نہیں آئے تو لوگوں کو پریشانی ہوئی۔ کچھ نے استخارے کیے۔ معلوم ہوا کہ آپ حج پر ہیں۔ ادھر حج کا دن گزرنے کے بعد رات کو یہ منظر عام پر آ گئے۔ ان کے معتقد اکرم قریشی کہتے ہیں کہ "اس شب میں نے انہیں سامنے سے آتے دیکھا ان سے گلے ملا۔ اور مبارکباد پیش کی انہوں نے پوچھا کس چیز کی؟" اکرم نے کہا "سنا ہے آپ حج پر گئے تھے۔" یہ سن کر حضرت مسکرائے۔ اس واقعے کے چند دنوں بعد ناصر کے ٹو والے کی حج سے واپسی ہوئی۔ اکرم کسی کام کے سلسلہ میں ناصر کے پاس گئے تو انہوں نے پوچھا کہ کیا حضرت صاحب حج پر گئے تھے۔ اکرم نے کہا لوگ کہتے ہیں لیکن اس شب کو یہ میرے پاس تھے۔ ناصر نے قسمیہ کہا میں نے انہیں طواف کرتے ہوئے قریب سے خود دیکھا ہے لیکن کوشش کے باوجود انہیں اپنی طرف متوجہ نہ کر سکا۔

پیر جی کے حوالے سے ایک یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ ایک نوجوان نے رات کو فلم دیکھنے کے بعد گھر جانے کی بجائے مسجد میں قیام کا ارادہ کیا۔ چونکہ رات بہت ہو چکی تھی ایک بجے کا وقت تھا۔ اس نے تاخیر کے خوف سے ایسا کیا۔ وہ جونہی مسجد میں داخل ہوتا ہے دیکھتا ہے کہ پیر جی شریف صاحب کے جسم کے کئی ٹکڑے ہوئے ہوئے ہیں۔ تمام اعضاء الگ ہیں۔ وہ شخص خوفزدہ ہو کر نکل آیا۔ شور مچانا شروع کر دیا کہ کسی نے حضرت صاحب کو قتل کر دیا ہے۔ اسکے شور مچانے پر لوگ آئے۔ مسجد میں جا کر دیکھا تو آپ صحیح سلامت تھے۔ اس نوجوان نے سراسیمگی اور حیرت کے ملے جلے جذبات میں تمام کہانی سنائی۔ اس واقعے کے

Marfat.com

حوالے سے قاری سید عبدالقدیر صاحب کہتے ہیں کہ ان کے خاندان کی ہر نسل میں ایک مجذوب ہوتا ہے۔ جو کہ شریعت کے تابع ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے بزرگوں سے اپنے بعض اسلاف کے بارے میں اسی نوع کے واقعات سنے ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب چونکہ حضرت بو علی قلندرؒ سے جا ملتا ہے۔ اسلئے ایسے واقعات کا رونما ہونا انہونی نہیں۔ یہ ان کی خاندانی روایت ہے۔

ایک اور عجیب و غریب واقعہ سنیئے۔ پیر جی کو سیاسیات اور حالات حاضرہ سے بظاہر قطعاً دلچسپی نہیں۔ ان کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے وہ سیاسی معاملات سے باخبر رہتے ہوں۔ وہ اپنے حال میں مست رہتے ہیں۔ بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ اس امر سے قطعی بے خبر ہیں کہ کون کس انداز میں حکمرانی کر رہا ہے۔ جنرل ضیاء الحق کے طیارے کو حادثہ ہوا تو اس روز وہ بہت رنجیدہ تھے۔ ان کے بھائی قاری عبدالقدیر صاحب نے پوچھا "بھائی صاحب خیریت ہے آج آپ اتنے اداس اور بجھے بجھے کیوں ہیں" انہوں نے کہا "ضیاء صاحب شہید ہو گئے ہیں۔ وہ بہت اچھے آدمی تھے۔ ان سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔" یہ بات بہت عجیب ہے کیونکہ نہ تو جنرل ضیاء احمد پور آئے اور نہ یہ کبھی اسلام آباد گئے۔ بظاہر تو کوئی ایسا سلسلہ نظر نہیں آتا۔ کوئی روحانی معاملہ ہو تو اللہ ہی اس سے باخبر ہے۔

جن دنوں پیر جی دن رات مسجد میں قیام پذیر رہتے تھے برسوں میں اپنے گھر آتے تھے ان دنوں کا واقعہ ہے کہ یہ رات کو اپنے گھر گئے۔ ہمشیرہ نے اپنے دوسرے بھائیوں سے کہا کہ آج بھائی صاحب کافی عرصہ بعد آئے ہیں کم از کم انہیں چائے ہی بنا کر دے دی جائے گھر میں دودھ نہیں۔ جا کر لے آئیں۔ ایک بھائی دودھ لینے گئے لیکن نہ ملا۔ سب سوچ رہے تھے کہ اب کیا کیا جائے۔ بہن کافی فکر مند تھیں ان کی پریشانی کو دیکھ کر پیر جی نے پوچھا کیا بات ہے؟ پہلے تو بتانے سے گریز کیا پھر کہا "اگر دودھ ہوتا تو آپ کو چائے بنا کر دے دی جاتی" یہ سن کر آپ نے وہیں بیٹھے بیٹھے دودھ سے بھرا گلاس تھما دیا۔ خاندان والے کہتے ہیں کہ اس رمز سے خدا ہی آشنا ہے کہ ایسا کیونکر ہوا۔ اس نوع کے دو تین واقعات مختلف اوقات

Marfat.com

میں اور بھی رونما ہوئے کہ گھر کے فرد کو تلاش کے باوجود دودھ نہیں ملا۔ انہوں نے برتن اٹھایا باہر گئے۔ چند منٹ بعد ہی واپس آگئے۔ لا کر برتن میں دودھ تھمادیا۔

ایک صاحب کراچی سے آئے ہوئے تھے۔ وہ پیر جی سے اپنے بھائی کی عقیدت مندی پر سخت متعجب تھے کہ آخر ان میں کونسی بات ہے جو سب لوگ ان پر لٹو ہیں۔ اسکے بھائی نے کہا کہ تم صرف ان کے معاملات پر غور کرو۔ خود ہی جان جاؤ گے۔ اب اسے جستجو رہنے لگی۔ ایک روز وہ اپنے بھائی کی دکان پر تنہا بیٹھا تھا کہ ساتھ والی دکان پر صبح 9 بجے ایک خاتون آئی۔ اس دکان پر بھی اصل دکاندار کی بجائے اسکا بھائی بیٹھا تھا۔ وہ خاتون کو دکان کے اندرونی حصے میں لے گیا۔ کراچی والے صاحب کو تجسس ہوا انہوں نے دونوں دکانوں کے درمیان واقع چھوٹی سی کھڑکی کی درز سے جھانکنا شروع کیا تو کیا دیکھا فعل قبیح سرزد ہو رہا تھا۔ اس واقعے کے کچھ دیر بعد ہی پیر جی اپنے معمول کے مطابق دکان پر آئے اندر جھانکا۔ چہرے پر سخت ناگواری کا تاثر پیدا ہوا اور لوٹ گئے۔ اسکے بعد عصر کے بعد آئے تب بھی ایسا ہی کیا۔ کراچی والے صاحب اپنے بھائی کی دکان پر رات گیارہ بجے تک بیٹھے رہے لیکن پیر جی نہ آئے۔ ادھر ہمسایہ دکاندار کو تشویش ہوئی کہ آج معمول کے مطابق حضرت صاحب نہیں آئے خیر تو ہے۔ اس نے کراچی والے صاحب سے پوچھا۔ اس نے سارا واقعہ سنایا کہ تمہاری عدم موجودگی میں کیا کچھ ہوا۔ اس شخص نے اسی وقت اندر بچھے ہوئے میٹ کو باہر پھینکا۔ پورے فرش کو سرف سے دھویا۔ اگلے روز حضرت صاحب معمول کے مطابق آئے۔ ماحول کو سونگھا۔ پھر تشریف فرما ہوگئے۔ یہ سارا منظر دیکھ کر کراچی والے صاحب ان کے معتقد ہوگئے۔

پیر جی شریف الرحمٰن چونکہ اپنے شہر سے نکلتے نہیں۔ کبھی کبھار بہاولپور جانا ضرور ہوا۔ اگست 1994ء میں ان کے ایک عقیدت مند کی بہنوں کی کراچی میں شادی ہوئی۔ بے حد اصرار پر یہ اسکے ساتھ کراچی چلے گئے۔ شاید ان کا یہ کراچی کا پہلا دورہ تھا۔ تقریب رات کو تھی۔ حضرت صاحب الگ کمرے میں مقیم تھے۔ باہر مجمع میں نہیں گئے۔

Marfat.com

ادھر ابتدا ہی میں میزبان کو یہ اطلاع ملی کہ کھانا ختم ہونے کے قریب ہے اور مہمان بہت زیادہ ہیں وہ بھاگا بھاگا ان کے پاس آیا انہوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا "نہیں نہیں۔ تم جاؤ۔ اپنی ذمہ داری انجام دو۔ کھانا ختم نہیں ہوا" میزبان پر سکون ہو کر اپنے کام انجام دینے لگا۔ جب تمام مہمان کھانے سے نمٹ گئے تو یہ دیگوں کے پاس گیا۔ معلوم ہوا کہ چار قورمے، ایک بریانی اور ایک زردے کی دیگ باقی بچی ہوئی ہے۔ جبکہ ایک ہزار مہمان کھانا کھا کر گئے ہیں۔

یہ واقعہ بھی دوران قیام کراچی کا ہی ہے کہ ایک عقیدت مند بڑے اصرار کے بعد انہیں اپنے ہاں لے گیا۔ اس کا دو نمبر کاروبار تھا۔ یہ اس کی دل دہی کے لئے چلے گئے لیکن سخت مضطرب تھے۔ پہلی بار کھانا کھاتے ہی انہیں ایسے اسہال ہوئے کہ رکنے کا نام نہ لیتے۔ ادھر میزبان نے علاج معالجے میں کسر نہ چھوڑی۔ لیکن افاقہ نہ ہوا۔ انہوں نے اپنے اصل میزبان یعنی کراچی لے جانے والے صاحب سے کہا "واپس چلو۔ یہاں کا پیسہ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ بار بار یہی کہتے "یہ لوگ تمہیں مجھے یہاں چھوڑنے کے لئے مجبور کریں گے۔ لیکن اللہ کے واسطے یہاں نہیں چھوڑنا۔ ساتھ لیکر جانا" دو روز بعد واپسی ہوئی تو صرف دہی روٹی کھانے سے صحت یاب ہو گئے۔

پیر جی کے حوالے سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جنات ان کے تابع ہیں۔ اور جلنے کا واقعہ بھی باغی جنات کا شاخسانہ ہے واللہ اعلم بالصواب۔ اکرم قریشی ہی یہ واقعہ سناتے ہیں کہ جلنے کے واقعہ کے بعد سے آپ مسجد سے ملحق بیٹھک میں مقیم ہیں۔ ان دنوں ان کی دیکھ بھال کے لئے ڈیوٹی لگا دی گئی۔ اکرم رات کو ان کے پاس سوتے تھے۔ ایک روز ڈائجسٹ پڑھتے پڑھتے رات سوا ایک بجے اکرم کی آنکھ لگ گئی۔ لیکن کچھ دیر بعد وہ شور کی آواز سے اٹھ بیٹھے۔ دیکھا حضرت صاحب کے قریب چار افراد بیٹھے ہیں جن کا حلیہ دیہاتیوں کا سا ہے۔ دو افراد ہاتھ دبا رہے ہیں اور دو پاؤں۔ یہ ان پر سخت خفا ہو رہے ہیں ان کی آنکھیں سرخ ہیں کہہ رہے ہیں "کیا لینے آئے ہو" وہ ان کی خفگی کو سہتے ہوئے خدمت کیے جا رہے ہیں۔ جب حضرت کی نظر اکرم پر پڑتی ہے تو فرماتے ہیں "اٹھ گئے ہو، پریشانی تو نہیں ہوئی، چلو سو

Marfat.com

جاؤ۔" اکرم کہتے ہیں کہ دروازوں کی کنڈیاں وہ خود لگا کر سوئے تھے جو بدستور لگی ہوئی تھیں۔ حضرت صاحب زخموں کے سبب بستر سے اٹھ نہیں سکتے تھے۔ پھر یہ لوگ کیسے آئے؟ یہ جنات ہی ہو سکتے ہیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت خدمت کے لئے اپنے جسم کو ہاتھ نہیں لگانے دیتے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ موجود اصحاب پر بھی اسی لئے خفا ہو رہے ہوں۔

قاری عبدالقدیر صاحب فرماتے ہیں کہ جب غسل خانے یا بیت الخلاء میں ہوتے ہیں تو تیزی اور سختی سے مسلسل یہ کہہ رہے ہوتے ہیں "ہٹ پرے ہٹ" قاری صاحب کہتے ہیں کہ "یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔" شریعت کی رو سے چونکہ ان مقامات کو ناپاک جنوں اور جنیوں کی آماجگاہ قرار دیا گیا ہے ان کے شر سے بچنے کے لئے دعا پڑھنے کی ہدایت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پیر جی کا واسطہ انہی شیاطین سے پڑتا ہو اور وہ انہیں دھتکارتے ہوں۔

پیر جی کی طبیعت میں ذکر اذکار کی کثرت کے سبب جلال ہے لیکن یہ جلال مخلوق خدا کے لئے نہیں۔ لوگوں کے لئے تو وہ نہایت شفیق اور جمالی بزرگ ہیں۔ اسکی سختیاں وہ خود سہتے ہیں۔ انتہائی سردی میں بھی فریزر کا یخ پانی انہیں کم ٹھنڈا محسوس ہوتا ہے۔ نہانے کا ذکر تو میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔

ایک معتقد نے ان سے جنات کی تسخیر کے عمل کے لئے کہا تو آپ نے منع فرما دیا کہا "تو شادی شدہ ہے۔ شادی شدہ لوگ ایسے وظائف سے نقصان اٹھاتے ہیں۔ لہذا کبھی اسکا سوچنا بھی نہیں۔"

پیر جی مجرد ہیں۔ ایک بار ایک معتقد نے جرأت کر کے اس بارے میں استفسار کیا تو آپ نے فرمایا "جہاں چاہتے تھے وہاں حساب نہیں بن سکا پھر دوسرے معاملات میں الجھ گیا۔" قاری عبدالقدیر صاحب اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ "ہمارے ہاں ایسا کوئی ماحول نہیں تھا جس میں پسند نا پسند یا چاہنے نہ چاہنے کی صورتحال پیدا ہوتی ہو۔ اس لئے یہ تو بعید از قیاس ہے۔ بھائی صاحب چونکہ جذب و کیف کے عالم میں رہتے تھے کوئی معاشی سلسلہ بھی

Marfat.com

نہیں تھا اور نہ دنیاوی لحاظ سے کوئی باقاعدہ زندگی تھی اسلیئے اس جانب توجہ نہ دی گئی۔"

پیر جی کا کھانا نہایت سادہ ہے۔ جو مل جاتا ہے کھا لیتے ہیں آج کل عموماً رسک اور دودھ میں برائے نام پتی کی چائے سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔

پیر جی شریف الرحمٰن صاحب کا "عام روحانی" پیشواؤں کی طرح نہ تو کوئی آستانہ ہے اور نہ ہی وہ کسی معتقد سے کچھ طلب کرتے ہیں۔ لوگ ان کے پاس اپنی غرض کے لئے آتے ہیں۔ اگر کوئی شخص چیز لے آئے تو وہ دوسرے آنے والوں میں بطور تواضع تقسیم ہو جاتی ہے۔

پیر جی کے معتقدین کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ بے شمار لوگ ان سے بیعت کے لئے کہتے ہیں تو فرماتے ہیں "پیری مریدی کیا چیز ہے؟ بس نماز پڑھو اللہ سے مانگو۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائیگا"۔ اگر لوگ بہت زیادہ مصر ہوں تو داڑھی اور نماز کی شرط عائد کرتے ہیں۔ اور اسکے لئے بار بار تلقین کرتے رہتے ہیں۔

پیر جی عورت سے کاملاً پردہ کرتے ہیں۔ اگر کہیں سے گزر رہے ہوں اور قرب و جوار میں کوئی بچی بھی گزر رہی ہو تو چہرے پر کپڑا ڈال کر دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جائیں گے۔ وہ شیر خوار بچیوں سے بھی پردہ کرتے ہیں۔ خود میرا تجربہ ہے کہ احمد پور میں ایک بار ہمارے ہاں تشریف لائے۔ اسوقت میری بیٹی کی عمر دو یا تین ماہ تھی۔ اس کو ان کے سامنے دعا کے لئے لے گیا انہوں نے بڑا سا گھونگھٹ نکال لیا۔ میں نے انہیں کہا بھی کہ یہ تین ماہ کی بچی ہے۔ لیکن ان کے پردے میں فرق نہ آیا نہ ہی کچھ بولے البتہ دعا ضرور کر دی۔
ان کا یہ پردہ اپنے خاندان کی خواتین اور بچیوں سے بھی ہوتا ہے جب وہ اپنی رشتے کی کم سن نواسیوں کے روبرو ایسا کرتے ہیں تو وہ تجسس کے عالم میں نیچے سے جھانکنے کی کوشش کرتی ہیں تو یہ منہ دوسری جانب پھیر لیتے ہیں۔ بچیوں کو مشغلہ ہاتھ آجاتا ہے لیکن یہ ان پر خفا نہیں ہوتے خود ہی بچتے بچاتے ہیں۔ بچیوں کو محظوظ ہونے دیتے ہیں۔

پیر جی نہ تو کوئی اختلافی بات کرتے ہیں اور نہ کرنے دیتے ہیں۔ ان کے سامنے

Marfat.com

کوئی فرقہ واریت کی بات نہیں کر سکتا۔ فرماتے ہیں کہ "بحث نہ کرو اسکا کوئی فائدہ نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم گمراہ ہو جاؤ۔"

پیر جی نے یوں تو ناظرہ قرآن پاک پڑھا ہوا ہے لیکن اگر کوئی کہیں سے بھی پڑھ دے تو یہ اس سے آگے زبانی پڑھ دیں گے

پیر جی معاملات میں بہت کھرے ہیں۔ وہ دینا جانتے ہیں، لینا نہیں۔ جس کسی سے کوئی چیز منگواتے ہیں رقم ضرور ادا کرتے ہیں۔ ایک معتقد ان کے کپڑے اور بستر دھوتا ہے تو یہ اسے اتنے پیسے دینے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں جتنے دھوبی لیتا ہے۔ کبھی صابن وغیرہ کا خرچہ ہونے کی دلیل پیش کرتے ہیں اور کبھی کوئی اور۔ جب رقم کی ادائیگی کرتے ہیں تو بند مٹھی میں ایک طرف منہ کر کے تھماتے ہیں۔ عید بقر عید کے موقع پر اپنے خاندان کے بچوں میں عیدی تقسیم کرنی ہو تو ہر ایک کو الگ الگ بلا کر جیب میں ہاتھ ڈال کر گنے بغیر بند مٹھی دوسرے کو تھماتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے منہ دوسری طرف پھیر لیتے ہیں۔ جب بھی محلے کا کوئی بچہ ان کی بیٹھک کے دروازے پر آکر بیٹھتا ہے تو یہ اسے کچھ نہ کچھ ضرور دیتے ہیں اسطرح تمام دن بچوں میں پیسے بانٹتے رہتے ہیں۔

بچے تو بچے منشیات کے عادی افراد بھی ان کے مزاج سے خوب باخبر ہیں۔ جب یہ تنہا ہوتے ہیں اور سو رہے ہوتے ہیں تو وہ تکیے کے نیچے سے ان کے پیسے اور چیزیں چرا کر لے جاتے ہیں۔ یہ ان کو کچھ نہیں کہتے اور نہ ہی کبھی کسی کیلئے کوئی بد دعا کی۔ ایک بار صرف اتنا کہا "یہ لوگ چوریاں کرتے ہیں۔ صحیح نہیں ہیں۔ ان کی حرکتوں پر مجھے غصہ آتا ہے۔"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو شخص دینے کا کھرا ہے۔ دوسروں میں پیسے تقسیم کرتا ہے اسکا ذریعہ روزگار کیا ہے؟ ان کے معتقدین کہتے ہیں کہ 32 سال انہوں نے نماز پڑھائی کبھی تنخواہ نہ لی۔ کبھی کسی شخص سے نذرانہ کے نام پر رقم لیتے دیکھا نہیں گیا۔ یہ سمجھ سے بالاتر بات ہے کہ ان کے پاس پیسے کہاں سے آتے ہیں؟ عقل کہتی ہے جب یہ کسی سے کچھ لیتے نہیں تو یقیناً ان کے بھائی مالی امداد کرتے ہوں گے۔ اس سوال کے جواب کے لئے

Marfat.com

ایک بار پھر چلتے ہیں ان بھائی قاری عبدالقدیر صاحب کی طرف۔ آپ فرماتے ہیں کہ "بھائی صاحب نے کبھی کچھ نہیں لیا، دیا ہی ہے۔ اکثر اوقات پیسے بطور امانت رکھوا جاتے ہیں۔ پھر جب اس میں سے مانگتے ہیں تو پانچ سو روپے کا نوٹ یا کم از کم ایک سو روپے کا نوٹ۔ اس سے کم کبھی بھی طلب نہیں کیا۔" پیر جی کی اور بہت سی باتوں کی طرح یہ بھی ایک معمہ ہے جس کا حل عقل کے پاس نہیں کیونکہ یہ اس سے ماوراء ہے۔ لہٰذا اسے یہیں چھوڑتے ہیں۔

لوگوں کی رائے ہے پیر جی ان لوگوں میں سے ہیں جو بہر صورت شریعت پر کاربند رہتے ہیں۔ وہ ہر ایک کی مدد کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تمام مسلک میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ ان کے پاس آنے والوں میں ہر مسلک کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں دیوبندی، بریلوی، شیعہ اور اہلحدیث مسالک کے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہندو بھی حاضر ہوتے ہیں۔ وہ سب کے لئے دعا کرتے ہیں اہلحدیث کے عالم مولانا شرف الحق بھی دعا کے لئے حاضری دیتے رہے ہیں۔

پیر جی کے حوالے سے ایک اور بات معلوم ہوئی کہ وہ ہر دیندار کی طرح تصویر اتروانے کے خلاف ہیں۔ ان کے ایک عقیدت مند کے پاس نہایت طاقتور لینز کا کیمرہ آیا۔ اس نے اجازت چاہی لیکن آپ نے اسے منع فرمادیا۔ ان کے بارے میں یہ بات بھی زبان زد عام ہے کہ جب بھی کسی شخص نے خاموشی سے ان کی تصویر اتارنی چاہی۔ اسکی تمام فلم خراب ہو گئی۔ ان کے معتقد کو اس بات کا مکمل ادراک تھا اسلئے اجازت طلب کی تھی۔

پیر جی نے اپنے قریبی معتقد کو ایک وظیفہ بتایا کہ ہر مشکل وقت میں اسے پڑھ لیا کرو انشاء اللہ مشکل کا خاتمہ ہوگا۔ وظیفہ یہ تھا کہ اول و آخر درود شریف، 72 مرتبہ "سلٰمٌ" قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ "پڑھنا ہے۔ وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے اسے اپنے اوپر آنے والی ہر مشکل میں پڑھا اور سرخرو ہوا۔ وہ اپنے دو واقعات اسطرح سناتے ہیں کہ "میں کراچی گیا۔ میرا بھائی ایم کیو ایم کا سرگرم کارکن تھا۔ سی-3- ایریا پورا ہی ایم کیو ایم کا تھا۔ ایک رات کو رینجرز والوں نے ہر گھر پر شب خون مارا اور بارہ سال سے اوپر کے ہر شخص

Marfat.com

کو قمیض اتروا کر آنکھیں بند کر کے ایک گراونڈ میں جمع کیا گیا۔ جب ساتھ والے گھر میں رینجرز کے جوانوں کی آمد کا شور و غل بلند ہوا۔ تو میں نے فوراً حضرت صاحب کا وظیفہ پڑھنا شروع کر دیا۔ رینجرز والے ہمارے گھر میں بھی آگئے۔ میرے گھر کے ہر فرد کو پکڑا۔ میرے بھائی نے مزاحمت کی تو میں نے منع کیا اور ساتھ جانے کے لئے کہا۔ بہت عجیب بات یہ ہے کہ رینجرز والے میری طرف نہیں آئے۔ جب علاقے کے سب مرد گراونڈ میں جمع ہو گئے تو خواتین گھروں سے باہر نکل آئیں۔ میں بھی باہر نکلا تو سب نے تعجب سے پوچھا تجھے کیوں نہیں لے گئے؟ میں نہیں جانتا کہ ایسا کیوں ہوا۔ جبکہ میں رینجرز والوں کے سامنے موجود تھا۔ یقیناً یہ اس وظیفے کا اثر تھا جس نے رینجرز کے جوانوں کے قلوب کو موڑ دیا۔"

پیر جی کے معتقد اس وظیفے کی اثر انگیزی کا دوسرا واقعہ اسطرح سناتے ہیں کہ "ہم لوگ اپنے خاندان کے ہمراہ سوزوکی وین میں کراچی کے کسی علاقے میں جا رہے تھے اس گاڑی میں میرے ایک رشتہ دار ایم کیو ایم کے ایم پی اے بھی تھے اسکے علاوہ ایم کیو ایم کے بعض علاقوں کے انچارج بھی تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب رینجرز اور فوج کتوں کی طرح سونگھ سونگھ کر ایم کیو ایم کے عہدیداروں کو تلاش کر رہی تھی۔ آگے ایک چوک آیا جس میں ہر گاڑی سے سواروں کو اتار اتار کر تلاشی لی جا رہی تھی۔ میں نے اپنی گاڑی میں موجود تمام افراد کو وظیفہ پڑھنے کے لئے کہا۔ میں، میرے والدین اور میرے دیگر اہل خانہ نے ورد شروع کر دیا۔ جب ہماری گاڑی کی چیکنگ کا نمبر آیا۔ تو رینجرز والوں نے تلاشی نہیں لی بلکہ اشارے سے جانے کی اجازت دے دی۔ یہ بات اسلیئے بھی انوکھی تھی کہ ہر گاڑی کی تلاشی لی جا رہی تھی لیکن ہمارے ساتھ ایسا نہ کیا گیا۔" اس وظیفے کے حوالے سے پیر جی کے یہ معتقد کہتے ہیں کہ حضرت صاحب نے مجھے اجازت دے رکھی ہے کہ جس کو چاہوں بتا دوں وہ استعمال کر لے۔

پیر جی کی خدمت خلق کی مثالوں میں ایک یہ بھی ہے کہ جن دنوں موٹروں اور نلکوں کا رواج نہیں تھا۔ لوگ پانی کے مراکز سے پانی بھر بھر کے لے جاتے تھے۔ ان کے

Marfat.com

محلّہ کی خواتین اور بچے اپنے گھڑے اور دیگر برتن رکھ کر الگ ہو جاتے تھے یہ کنوئیں سے پانی کھینچ کھینچ کر تمام برتنوں میں پانی ڈالتے تھے اسطرح یہ پورے محلے کے لئے کڑی مشقت کرتے تھے۔

ہمارے ہاں مجذوب کی اصطلاح خاصی مشکوک ہے۔ عام طور پر ذہنی مفلوج اور دیوانوں کو مجذوب قرار دیا جاتا ہے۔ جبکہ مجذوب اور مجنوں میں بہت فرق ہے۔ پیر جی کا شمار ان مجذوبوں میں ہوتا ہے جو شرعی حدود میں رہتے ہیں جو حلال حرام، جائز و ناجائز اور غلط و درست کی واضح طور پر تمیز رکھتے ہیں۔ جو شرعی احکامات کے مطابق طہارت و صفائی کا خاص خیال رکھتے ہیں جو جذب و کیف کے عالم میں ضرور رہتے ہیں لیکن ہر چیز سے بالکل بیگانہ نہیں ہوتے۔ اور ایسے لوگ خال خال ملیں گے۔

<u>استفادہ</u>

۱۔ پیر جی قاری سید عبدالقدیر

۲۔ سید خالد عمران

۳۔ محمد اکرم قریشی

۴۔ مشتاق احمد بھٹی

۵۔ سید منصور الحسن

Marfat.com

حضرت علامہ محمد عبداللہ

صدیوں پہلے ایک شخص حضرت داتا گنج بخشؒ کے ولی کامل کا سن کر دور دراز کا سفر طے کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دو اڑھائی ماہ قیام لیا۔ جب وہ جانے لگا تو آپ نے فرمایا کیوں جا رہے ہو؟ اس نے کہا میں نے آپ کے پاس دو اڑھائی ماہ قیام لیا لیکن میں نے آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی اس لئے مایوس ہو کر واپس جا رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے میری کوئی ایسی بات دیکھی جو سنت کے خلاف ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا "اس سے بڑھ کر کرامت اور کیا ہو سکتی ہے۔" واقعی جو شخص کاملاً سنت نبوی پر عمل کرے اس سے بڑا ولی کامل کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور آج کے دور میں جو بھی سنت پر حتی الامکان عمل پیرا ہونے کے لئے کوشاں ہو وہی ولی ہے۔ ایسے لوگوں میں احمد پور شرقیہ کے ایک بزرگ علامہ محمد عبداللہ ہیں۔ جو اپنے ہر فعل کو سنت کے تابع رکھتے ہیں جس کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ 28 سال سے بازار اسلئے قصداً نہیں گئے کہ نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے "بازار بدترین جگہ ہے" کوئی چیز خریدنی ہو تو کسی سے منگوا لیتے ہیں اس لئے فرماتے ہیں کہ جب اللہ میری یہاں ضرورتیں پوری کر دیتا ہے تو پھر بلاوجہ بازار کیوں جاؤں؟

اگر علامہ صاحب کو کہیں جانا ہوتا ہے اور کچھ ساتھی بھی ہمراہ جانا چاہتے ہیں تو آپ دو، تین افراد سے زیادہ ساتھ لے کر نہیں چلتے۔ فرماتے ہیں کہ مجمع لگانا ریا معلوم

Marfat.com

ہوتا ہے۔ نہ ہی کسی کو اپنے سے پیچھے ہونے دیتے ہیں۔ سب کے ساتھ برابر چلتے ہیں۔ اگر کبھی کوئی آپ سے پیچھے ہونے کی کوشش بھی کرے تو ساتھ ملا کر فرماتے ہیں کہ یہ سنت کے خلاف ہے۔ آقائے دو جہاں ﷺ کبھی بھی آگے ہو کر نہیں چلا کرتے تھے۔ مجلس میں خود کو صحابہ کرامؓ سے نمایاں نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ باہر سے آنے والے لوگ صحابہ کرامؓ سے دریافت کرتے کہ تمہارے پیغمبر ﷺ کون سے ہیں؟

علامہ صاحب زندگی کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی سنت کا خصوصی خیال رکھتے ہیں جب وہ وضو کرتے ہیں تو دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ وضو سنت کے مطابق ایسا ہی ہوتا ہے کیونکہ وہ وضو کے دوران پانی کو بہاتے نہیں بلکہ چلاتے ہیں۔ یعنی سنت کے عین مطابق تھوڑے پانی سے وضو کرتے ہیں۔

اس دور پُر فتن میں سنت پر کاربند رہنے والے علامہ محمد عبداللہ کا قد قدرے دراز ، رنگت سانولی، پیشانی فراخ، آنکھیں سیاہ چمکتی ہوئی، چہرے پر بہار دکھاتی سفید داڑھی ہے۔ سر پر کپڑے کی ٹوپی یا جناح کیپ ہوتی ہے، شلوار قمیض، سردیوں میں اس پر شیروانی زیب تن کرتے ہیں۔ گھر پر ہوں تو تہمد بھی باندھتے ہیں۔ ان کی باتوں میں شیرینی اور پاکیزگی ہے ان کا انداز شگفتہ اور آواز پختہ ہے۔ وہ آسمان خوش لہجگی کے بدر، انجمن آگہی کے صدر اور عربی کے فاضل اجل ہیں۔ ان پاک طینت بزرگ کی جادو اثر گفتگو کے تحت ہر شخص آجاتا ہے۔

علامہ محمد عبداللہ 1929ء میں تحصیل لیاقت پور کے ایک قصبہ پکالاڑاں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد، مولانا عبداللہ درخواستیؒ کے ہم درس اور پیر بھائی تھے۔ جب کہ چچا مولانا اشرف علی تھانویؒ کے متوسلین میں سے تھے۔

علامہ صاحب کی تعلیم کا آغاز گھر پر ہی قرآن مجید اور دینی کتب سے ہوا اس کے ساتھ ہی فارسی سے بھی شناسائی حاصل کی۔ 1939ء میں پرائمری سکول پکالاڑاں سے درجہ پنجم کا امتحان پاس کیا۔ مڈل سکول اللہ آباد سے مڈل کا امتحان پاس کیا۔ اسکے بعد عربی

Marfat.com

تعلیم کا آغاز کر دیا۔ صرف کی تعلیم حضرت میاں عبدالہادی دین پوری ؒ سے حاصل کی بعد ازاں جامعہ عباسیہ بہاولپور میں داخلہ لیا جہاں سے 1948ء میں علامہ کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ اسی سال پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ پھر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر دورۂ تفسیر کی تکمیل کرتے ہیں اس امتحان میں وہ پہلی پوزیشن حاصل کرتے ہیں۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ اپنے دست مبارک سے دستار فضیلت باندھتے ہیں اور کتب کا سیٹ عطا کرتے ہیں۔

علامہ صاحب تفسیر کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسی سال احمد پور شرقیہ کی قدیم دینی درسگاہ میں بطور مدرس تعینات ہوتے ہیں۔ 44، 45 سال اسی ادارے میں رہتے ہیں اور اکیس سال سربراہ رہ کر ریٹائر ہو جاتے ہیں۔ اس دوران علامہ صاحب کا تعلیمی سفر جاری رہتا ہے۔ وہ اپنے طور پر عصری علوم سے آگہی حاصل کرتے ہیں اور انگریزی زبان سیکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس میں دسترس حاصل کر لیتے ہیں۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ طلبہ کو انگریزی پڑھاتے ہیں۔

علامہ صاحب نے جس ادارے میں پڑھایا اسکا پرانا نام رفیق العلماء ہے۔ ریاست بہاولپور میں جامعہ عباسیہ کے زیر اہتمام چلنے والے دینی تعلیمی اداروں کا نام رفیق العلماء ہی ہوتا تھا۔ پھر دور بدل گیا۔ ان اداروں کا الحاق جامعہ عباسیہ سے ختم کر کے محکمہ تعلیم سے ہو گیا۔ نام اور کام بھی قدرے بدل گیا۔ نیا نام گورنمنٹ فاضل ہائی سکول، قرار پایا۔ اسی ہائی سکول سے علامہ صاحب ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے 1996ء میں سترھویں سکیل میں ریٹائر ہوئے۔ علامہ صاحب کی زندگی کا بیشتر حصہ احمد پور میں ہی گزر گیا۔ جس شہر میں وہ ملازمت کرنے آئے تھے وہ شہر آپ کے بے مثال کردار کے سبب آپ کا اتنا گرویدہ ہو گیا کہ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی یہاں سے جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اب صورتحال یہ ہے کہ علامہ صاحب کا ایک پاؤں اپنے اہل خانہ کے پاس پکا لاڑاں میں ہے اور ایک پاؤں احمد پور شرقیہ میں۔ وہ دونوں میں سے کسی کو نہیں چھوڑ سکتے۔

Marfat.com

علامہ صاحب احمد پور شرقیہ میں اپنے ایک عقیدت مند کے ایک کمرے اور صحن پر مشتمل احاطے میں رہتے ہیں۔ اپنا تمام کام خود کرتے ہیں مجال ہے کہ کسی کو ہاتھ لگانے دیں۔ کپڑے، برتن خود دھوتے ہیں۔ وہ کسی پر بوجھ بننا پسند نہیں کرتے۔ ان کے مزاج میں نفاست اور سلیقہ اتنا ہے کہ آپ کسی بھی وقت ان کی قیامگاہ پر چلے جائیں ہر چیز سلیقے اور ترتیب سے رکھی ملے گی۔ وہ کوئی چھوٹا سا کام بھی کسی سے نہیں کہتے کیونکہ اس سے ان کی چیزوں کی ترتیب بدل جاتی ہے اور ان کی طبیعت میں انقباض پیدا ہو جاتا ہے۔ لوگ ان کے چھوٹے چھوٹے کام کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ ان کے مزاج پر گراں گزرتا ہے۔ اس حوالے سے وہ فرماتے ہیں اگر دوسروں کو کوئی چیز رکھنے کا کہوں تو وہ اس ترتیب کے مطابق نہیں کرتے۔ جتنی دیر میں انہیں سمجھاؤں اس سے کم وقت میں خود ہی صحیح کام کر لوں۔

علامہ صاحب کے معمولات میں اوراد و وظائف کے علاوہ قرآن، تفسیر، احادیث و فقہ کا مطالعہ شامل ہیں۔ وہ جنون کی حد تک مطالعے کے عادی ہیں۔ دن میں کسی بھی وقت چلے جائیں وہ آپ کو مطالعہ کتب میں مگن نظر آئیں گے۔ وہ صحت، بیماری، سفر، حضر غرض ہر وقت کتاب اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور وقت کا پورا پورا مصرف کرتے ہیں۔ ان کے مطالعہ میں جدید و قدیم دونوں قسم کے علوم کی کتب رہتی ہیں۔ ان کی زندگی کا حاصل مطالعہ ہی ہے۔ اگر کسی کتاب کا تذکرہ ہو جائے اور وہ کتاب مولانا نے نہ پڑھی ہو یا ان کے پاس موجود نہ ہو تو وہ کتاب عاریتاً طلب کریں گے۔ ابھی آپ گھر نہیں پہنچیں گے علامہ صاحب کا آدمی کتاب لینے آپکے گھر پر موجود ہو گا۔

علامہ صاحب کی اپنی ذاتی لائبریری ہے ان کی آمدنی کا بیشتر حصہ کتب کی خرید پر صرف ہو جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "جس طرح بچوں کی کہانیوں میں دیو کی جان کسی طوطے میں ہوتی تھی اسی طرح میری جان کتابوں میں ہے" علامہ صاحب یہ بھی فرماتے ہیں "مولویوں کی جان کتابوں میں ہونی چاہئے۔ مجھے آج کے علماء سے یہ شکایت ہے کہ وہ مطالعہ نہیں کرتے۔" علامہ صاحب کے کتابوں سے عشق کا ایک واقعہ سنیئے۔

Marfat.com

محکمہ تعلیم کے کارپردازوں کی کارستانیوں کے سبب علامہ صاحب کی 19 سال تنخواہ بند رہی۔ لیکن آپ نے اس تمام عرصے میں ایک دن بھی اپنے فرائض سے غفلت نہیں برتی نہ ہی کبھی کسی سے اپنا معاشی مسئلہ بیان کیا اور نہ کسی سے کچھ لیا۔ جبکہ بے شمار اصحاب ثروت ان کے عقیدت مند تھے ایک اور امتحان یہ کہ علاقہ کے اصحاب ثروت زکواۃ، خیرات، صدقات کی رقوم آپ کے حوالے کرتے تھے اور آج بھی کرتے ہیں کہ جن افراد یا مدارس کو مناسب سمجھیں اپنی مرضی سے دیدیں۔ علامہ صاحب یہ رقوم کئی مدارس میں تقسیم کرتے۔ بہت سے مستحق طلبہ کو کتابیں، یونیفارم وغیرہ لے کر دیتے تھے۔ ان کے ہاتھ میں بہت بڑی رقم ہوتی تھی جب کہ خود عسرت کی زندگی گزار رہے تھے ایسے عالم میں شیطان بہت سے ناجائز کام کرواتا ہے۔ اور امانتیں تو کڑی آزمائش ہوتی ہیں لیکن علامہ صاحب اس آزمائش پر بآسانی پورے اترے۔ اس پیسے کی جانب ان کا کبھی بھی دھیان نہ گیا۔ یہ ایک دو دن کی بات نہیں تھی۔ بلکہ 19 برس پر محیط پہاڑ جیسا عرصہ تھا۔ علامہ صاحب چونکہ متوسط درجے کے زمیندار بھی ہیں اس لئے اس عرصہ میں وہ اپنے گھر سے خرچ منگوا کر اپنی ضرورتیں پوری کرتے۔ اور ان کی سب سے بڑی ضرورت کتاب تھی۔ ایک صاحب نے رعایتی قیمت پر 26 جلدوں پر مشتمل انسائیکلوپیڈیا آف اسلام خریدا جب علامہ صاحب نے دیکھا تو للچا گئے۔ کہا ایسا ہی ایک سیٹ مجھے بھی منگوا دو کیونکہ یہ بہت کام کی چیز ہے۔ انہوں نے اپنے گھر سے رقم منگوائی اور سیٹ خریدا۔ یہ واقعہ جہاں علامہ صاحب کے کتاب سے عشق کا آئینہ دار ہے وہاں ان کے صبر وضبط کا بھی عکاس ہے۔

علامہ محمد عبداللہ صاحب نے اپنے عہد کے جید شیوخ سے کسب فیض حاصل کیا۔ جن میں سے کچھ کا تذکرہ کیا جا چکا ہے کچھ اور نام پیش خدمت ہیں آپ علم حدیث میں مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور مولانا کفایت اللہ دہلویؒ کے شاگرد تھے جب کہ فنون عقلیہ مولانا معین الدین اجمیریؒ سے سیکھے۔ ان کے علاوہ مولانا غلام محمد گھوٹویؒ، مولانا احمد علیؒ، مولانا محمد فاروقؒ، مولانا عبیداللہؒ اور مولانا محمد صادقؒ جیسے اساتذہ کے آگے زانوئے تلمذ تہہ

Marfat.com

کیے۔ حضرت میاں عبدالہادی دین پوریؒ جہاں آپ کے استاد محترم تھے وہاں مرشد بھی تھے انہی سے راہِ سلوک کی منزلیں اور سلسلۂ قادریہ کے اسباق طے کیے۔ لیکن علامہ صاحب چونکہ ذوق کے اعتبار سے علمی آدمی ہیں اس لئے انہوں نے سلسلۂ تصوف کو اختیار نہیں کیا بلکہ علم کو اوڑھنا بچھونا بنایا۔ ذرا سوچیے! جو شخص اپنے عہد کے جید علماء، صلحاء، اور اولیاء کے زیرِ تربیت رہا ہو بلکہ اسکا زیادہ وقت انہی کے پاس گزرا ہو۔ کیا وہ مجموعۂ اوصاف و جامع کمالات نہیں ہوگا؟ جی ہاں! علامہ صاحب کئی پارسوں سے مَس ہوئے ہیں ان میں بے شمار ایسی خوبیاں ہیں جو بہت سے دینداروں کے نصیب میں کہاں؟ وہ ان اسلاف کا عکس جمیل ہیں اس لئے ان کے دم درود اور تعویذوں میں بہت اثر ہے۔ اگرچہ وہ تعویذ وغیرہ کم دیتے ہیں لیکن وہ کارگر ثابت ہوتے ہیں۔

علامہ صاحب جہاں قدیم علوم کے ماہر ہیں وہاں وہ عصری علوم کا بھی گہرا شعور رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کی سوچ میں اعتدال و میانہ روی ہے۔ ان کی فکر جدید تعلیم یافتہ افراد اور قدیم علماء دونوں کے لئے قابل قبول ہے۔ وہ بدلتے ہوئے عہد کے تقاضوں و مسائل کو دین کی روشنی میں حل کرنے کے قائل ہیں۔ جب وہ جدید تعلیمیافتہ لوگوں سے بات کرتے ہیں تو جدید استدلال اور انداز میں سمجھاتے ہیں دوسری طرف قدیم مفتیان ان سے اپنے فتوؤں کی اصلاح کراتے ہیں۔ علامہ صاحب کی شخصیت دونوں طبقوں کے درمیان پل کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے پاس آنے والوں میں دونوں طبقوں کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ ان سے دونوں اقسام کے لوگ استفادہ کرتے ہیں۔

علامہ صاحب کے فتوؤں میں بھی اعتدال پایا جاتا ہے۔ ان میں عصری ضرورتوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ ان کے فتاویٰ میں سختی یا غیر لچکدار رویہ نہیں ہوتا۔ وہ اپنی بات کو دانائی اور حکمت سے دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔

علامہ صاحب کے فتاویٰ کی تعداد ہزاروں پر مشتمل ہے لیکن انہوں نے ان کا ریکارڈ نہیں رکھا جو بھی سوال آیا اسی پر قرآن و سنت کی روشنی میں لکھ دیا۔ قرب و جوار

Marfat.com

کے علماء کے علاوہ پشاور تک کے علماء ان سے رجوع کرتے ہیں۔ ان کا مشہور فتویٰ عید گاہ بہاولپور کی دکانوں کی تعمیر سے متعلق ہے۔ قصہ کچھ یوں ہے کہ جب عید گاہ کی زمین پر دکانیں تعمیر کی جانے لگیں تو قاضی عظیم الدینؒ صاحب کی سربراہی میں علماء کا ایک وفد دکانیں تعمیر نہ کرنے کی غرض سے حکام سے ملا۔ انتظامیہ نے شرعی جواز طلب کیا۔ اس سلسلہ میں ایک فتویٰ تیار کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ لیکن اب سوال یہ تھا کہ فتویٰ کون لکھے قاضی عظیم الدینؒ صاحب کی ہدایت پر مولانا معاذؒ کی سربراہی میں ایک وفد علامہ عبداللہ صاحب کے پاس آیا۔ عصر کا وقت تھا۔ وفد نے قاضی صاحب کا سلام کہا اور فتویٰ کی تیاری کی درخواست کی۔ علامہ صاحب نے کہا بہاولپور میں بڑے بڑے علماء ہیں ان سے فتویٰ لیتے۔ وفد نے کہا سب کا متفقہ فیصلہ یہ ہے فتویٰ آپ ہی لکھیں گے۔ عصر سے مغرب تک آٹھ دس صفحات پر مشتمل فتویٰ تیار کیا گیا۔ قاضی عظیم الدینؒ صاحب سمیت بہاولپور کے جید علماء نے اس فتویٰ کے نیچے تحسین آمیز کلمات لکھ کر اس کی تصدیق کی۔ جب یہ فتویٰ کمشنر اور دوسرے حکام کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے بھی اسے سراہا۔ اسی طرح پشاور کے علماء نے ایک نہایت پیچیدہ مسئلے پر علامہ صاحب سے فتویٰ طلب کیا علامہ صاحب نے قرآن اور سنت کی روشنی میں حالات کے تقاضوں کے تحت نہایت قابل قبول فتویٰ لکھا۔ پشاور کے علماء نے اس کی بہت ستائش کی۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرح علامہ صاحب بھی اس بات کے قائل ہیں کہ مفتیان کا عصری علوم سے واقف ہونا ضروری ہے آپ فرماتے ہیں جو علماء عصری علوم سے واقف نہیں انہیں فتاویٰ دینے سے گریز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جب تک وہ مسائل کو نہیں سمجھ سکیں گے اس وقت تک صحیح فتویٰ نہیں دے سکیں گے۔ صحیح فتاویٰ کے لئے ازحد ضروری ہے کہ متعلقہ معاملے کے علم کا کامل شعور ہو۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں اگر ہمارے مفتی مسئلے کا صحیح حل پیش نہیں کر سکیں گے تو انکی کوتاہی کی وجہ سے لوگ اسلام پر انگلیاں اٹھائیں گے وہ اپنی مجالس میں ان علماء کی مثالیں دے کر کہیں گے کہ ان مسائل کا اسلام میں حل

Marfat.com

موجود نہیں۔

علامہ صاحب دینی تعلیمی اداروں میں نصاب کی تبدیلی کے خواہش مند ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایسے مضامین جن کا عملی زندگی میں کوئی فائدہ نہ ہو انہیں نصاب سے خارج کر دیا جائے۔ مثلاً فلسفہ، منطق، صرف، نحو۔ ان کی جگہ ایسے علوم کو شامل نصاب کیا جائے جن کا عملی زندگی میں واسطہ پڑتا ہے یا فائدہ ہوتا ہے۔

علامہ صاحب ایک استاد کی حیثیت سے بھی بے مثل ہیں۔ عمومی طور پر انہوں نے سزا دینے سے گریز کیا۔ بہت ہی کم ایسا ہوا کہ کسی طالبعلم نے سزا پائی ان کا مارے بغیر کافی رعب تھا۔ طلبہ اسوقت بھی ان کا دل و جان سے احترام کرتے تھے۔ اور آج بھی ان کے بہت سے شاگرد جو اعلیٰ مناصب پر ہیں یا ریٹائر ہو گئے ہیں۔ جب وہ علامہ صاحب کے سامنے آتے ہیں تو دو زانو بیٹھتے ہیں۔ نہایت ادب سے پیش آتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ صاحب ہر دور کے اپنے شاگردوں میں مقبول و ممتاز ہیں۔

علامہ صاحب اچھے منتظم بھی ہیں۔ وہ 21 سال ایک ادارے کے سربراہ رہے۔ ان کے کسی بھی ماتحت کو ان سے شکایت پیدا نہیں ہوئی وہ سب آپ کے معتقد ہیں۔ اگر یقین نہیں آتا تو آپ ان لوگوں سے مل کر دیکھ لیجئے۔ یہ یقیناً علامہ صاحب کے حسن اخلاق کا اعجاز ہے۔ ایسا شاید ہی کہیں ہوا ہو کہ اتنا طویل عرصہ سربراہ رہنے کے باوجود لوگ قصیدے پڑھتے ہوں۔

علامہ صاحب غیر متعصبانہ سوچ رکھتے ہیں۔ وہ فرقہ وارانہ عصبیت کے خلاف ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ علماء کو فروعی مسائل میں امت کو الجھانا نہیں چاہیے۔

علامہ صاحب کے سنت پر سختی سے کاربند رہنے کے بارے میں بالا سطور میں لکھا جا چکا ہے۔ ایک واقعہ اور سنئے۔ ایک بار علامہ صاحب مسجد میں دعا مانگنے لگے تو ان کے کچھ معتقدین نے بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لئے۔ آپ نے استفسار فرمایا کیا کہیں ایسی اجتماعی دعا ثابت ہے؟ سب نے کہا نہیں۔ آپ نے کہا جب نہیں ہے تو پھر اس کا اہتمام کیوں؟ سب

Marfat.com

لوگ اپنی اپنی دعا کریں۔

علامہ صاحب حد درجہ محتاط انسان ہیں۔ وہ دھوبی سے کپڑے اسلئے نہیں دھلواتے ان کے خیال میں دھوبی کے دھلے ہوئے کپڑے پاک نہیں ہوتے۔ اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں۔ دھوبیوں کے پاس دو حوض ہوتے ہیں وہ ان میں موجود پانی میں ہی کپڑے دھوتے ہیں اس طریقے سے پاکی کا اہتمام نہیں ہو سکتا۔ اسلئے علامہ صاحب اپنے کپڑے خود دھوتے ہیں اور خود ہی استری کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں علامہ صاحب کا یہ فعل تقویٰ کے درجے میں ہے۔

علامہ صاحب جو کام بھی کرتے ہیں پوشیدہ کرتے ہیں تاکہ ریاکاری کا تاثر نہ ابھرے وہ عبادات کو پوشیدہ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ ان کے گھر میں مسجد کا دروازہ کھلتا ہے۔ وہ نماز تہجد کی ادائیگی کے لئے مسجد میں جاتے ہیں فراغت کے بعد گھر لوٹ آتے ہیں پھر دوبارہ فجر کی نماز کے وقت جاتے ہیں۔ اکثر اوقات اس مسجد میں تبلیغی جماعت ٹھہری ہوتی ہے۔ اسکے کسی رکن کو پتہ نہیں چلتا کہ کوئی شخص یہاں آکر تہجد پڑھ کر چلا گیا ہے۔ اب فجر کے وقت دوبارہ آیا ہے۔ ان کی یہ پوشیدگی نہ صرف عبادات، معاملات بلکہ علمی کاموں میں بھی ہے۔ یعنی تصنیف و تالیف کا کام بھی بر سر عام نہیں کرتے کہ کہیں لوگ بہت عالم فاضل سمجھنے لگیں۔

علامہ صاحب بہت سے لوگوں کے رازوں کے امین ہیں۔ لوگ ان کے پاس آکر اپنے ہر قسم کے مسائل بیان کرتے ہیں وہ انہیں اپنے معاملات سے آگاہ کرتے ہیں لیکن مجال ہے کہ یہ کسی دوسرے کو کسی کے معاملے سے اشارۃً بھی آگاہ کریں۔

علامہ صاحب ہر کسی کے گھر کا کھانا نہیں کھاتے بعض اصحاب ثروت و اختیار عقیدت و احترام میں کچھ چیزیں دے جاتے ہیں ان کی واپسی اخلاق کے خلاف تصور کرتے ہوئے رکھ تو لیتے ہیں لیکن انہیں اپنے ملنے بلانے والوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

علامہ صاحب نے دینی موضوعات پر کئی کتابیں لکھیں اور بے شمار مضامین رقم

Marfat.com

کیئے۔ ان کے مضامین تحریک، ابلاغ، نقیب ختم نبوت، دار العلوم (دار لعلوم دیوبند کا مجلّہ) سمیت کئی رسائل و جرائد میں چھپ چکے ہیں جنہیں اکابر علماء تحسین کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مولانا یوسف لدھیانویؒ جیسے جلیل القدر مصنف و بزرگ بھی علامہ محمد عبداللہ صاحب کی علمیت کے قائل تھے۔ اب ذرا علامہ صاحب کی کتب اور چند اہم مقالات کا تذکرہ ہو جائے۔

علامہ صاحب نے چھ کتابیں لکھیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

1۔ تنقیح الکلام فی قرأۃ الفاتحہ خلف الامام

یہ ضخیم رسالہ 1948ء میں شائع ہوا۔ یہ ایک غیر مقلد عالم کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ بعد میں علامہ صاحب کا علمی مذاق بدل گیا اب وہ فروعی مسائل میں اہل علم کے الجھنے کو پسند نہیں کرتے۔

2۔ لَہٗ دَعوَۃُ الحَق

اس کتاب میں قادیانیوں کیلئے دعوتی انداز میں دعاوی مرزا کا تحقیقی مطالعہ کیا گیا ہے۔

3۔ اسلام اور مرزائیت

اس کتاب میں اسلام اور مرزائیت کا تقابلی موازنہ فاضلانہ انداز میں کیا گیا ہے۔

4۔ صحابہ کرام اور ان پر تنقید؟

یہ کتاب 73-1972ء میں مولانا مودودی کی کتاب "خلافت و ملوکیت" کے جواب میں لکھی گئی۔

5۔ کاروانِ جنت

یہ کتاب ان اصحاب رسولؐ کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے جنہیں نبی اکرمؐ نے مختلف مواقع پر زندگی میں ہی جنت کی بشارت دی تھی۔ اس کتاب کے اب تک دو ایڈیشن پاکستان سے ایک مکتبہ اعزازیہ ہند دیوبند (بھارت) سے شائع ہو چکا ہے۔

6 اَلمُسَامَحَاتُ فِی الخُطُبَات

Marfat.com

اس کتاب میں ڈاکٹر حمید اللہ کے "خطبات بہاولپور" کا علمی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

علامہ صاحب کے مقالات کی فہرست بہت طویل ہے چند دستیاب موضوعات کا ذکر پیش خدمت ہے۔

1۔ **تاریخ کے دو باب۔ سقوط بغداد سے قیام دارالعلوم تک**

یہ مقالہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے ترجمان "الرشید" کے "دارالعلوم دیوبند نمبر" میں شائع ہوا تھا۔

2۔ **بغداد سے بہاولپور تک**

یہ روزنامہ کائنات بہاولپور کے جامعہ عباسیہ نمبر میں شائع ہوا۔

3۔ **گستاخِ رسول ؐ کے لیئے سزائے موت کا مسئلہ**

یہ فقہی مقالہ ماہنامہ "البلاغ" کراچی میں چھپا۔

4۔ **قربانی کی شرعی حیثیت**

1984ء میں کچھ خود ساختہ سکالرز کی طرف سے قربانی کی شرعی حیثیت پر اشکالات واعتراضات پیش کیے گئے تھے جن کے جواب میں یہ مقالہ لکھا گیا۔

5۔ **زادالمعاد کے اردو ترجمہ کا علمی جائزہ**

رئیس احمد جعفری ندوی نے حافظ ابن قیم کی سیرت کی کتاب زادالمعاد کے ترجمے میں بہت سی فاش غلطیاں کیں۔ علامہ محمد عبداللہ صاحب نے اپنے اس مضمون میں ان غلطیوں کا علمی جائزہ لیا ہے۔

6۔ **تذکرہ ایک ولی اللہ کا (کچھ مکاشفات کچھ منامات)**

یہ مضمون مولانا محمد زکریاؒ کے بارے میں ہے۔

7۔ **کچھ بھولی بسری یادیں**

یہ مضمون "نقیب ختم نبوت" ملتان میں قسط وار چھپا ہے۔ اس میں مولانا احمد اللہ

Marfat.com

شاہ مدراسی، مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا رضی اللہ بدایونی، مولانا عبدالقادر لدھیانوی اور مولانا عبدالرحیم رامپوری کے حوالے سے تفصیلاً تحریر کیا گیا ہے۔

8۔ صحفه همام بن منبه

یہ مجموعہ احادیث حضرت ابوہریرہؓ کا مرتب کردہ ہے۔ علامہ صاحب نے اپنے مضمون میں اسکے اردو ترجمہ کا علمی جائزہ لیا ہے۔

9۔ ترجمه قرآن مجیداز جناب علامه شبیربخاری پرناقدانه تبصره

علامہ شبیر بخاری نے قرآن کریم کے ترجمہ اور تفسیری نوٹس میں جو علمی غلطیاں کی ہیں علامہ محمد عبداللہ صاحب نے اپنے مضمون میں ان غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔

علامہ صاحب کے بعض دوسرے مضامین کے نام یہ ہیں۔ اکابر دیوبند سلف صالحین کے قدم بقدم، دینی مدارس کا ماضی اور حال، انڈونیشیا میں اسلام کیونکر پہنچا؟ مقام فاروق اعظمؓ۔

علامہ صاحب کے بے شمار مضامین رسائل و جرائد میں بکھرے ہوئے ہیں اگر انہیں مجتمع کر دیا جائے تو کئی کتب بن جائیں۔ لیکن علامہ صاحب کے پاس ان رسائل کا ریکارڈ نہیں۔

علامہ صاحب کی علمی و روحانی حیثیت مسلمہ ہے۔ احمد پور میں کوئی بھی شادی ہو۔ سب کی خواہش ہوتی ہے کہ علامہ صاحب نکاح پڑھائیں اور اگر کوئی جنازہ ہو تو بھی سب کی نگاہیں علامہ صاحب کی طرف اٹھتی ہیں۔ میری خوش بختی ہے کہ میری منگنی کی رسم علامہ صاحب کے ہاتھوں ہی انجام پائی اس موقع پر انہوں نے ہی دعائے خیر کی۔ نیز میرا نکاح بھی علامہ صاحب نے پڑھایا۔

آج علامہ صاحب ہر ایک کے دل میں بستے ہیں اسکی بنیادی وجہ انکا زہد، تقویٰ اور

Marfat.com

اتباعِ سنت ہے۔ وہ سلف صالحین کی نظیر ہیں اور ایسے لوگ اس قابل ہیں کہ ان سے جتنا فیض اٹھالیا جائے، بہتر ہے۔

استفادہ

۱۔ منصور خان

۲۔ میر سید عزیز الحسن

Marfat.com

حضرت قاری سید عبدالعلیم

غیبت ایسی برائی ہے جس کے بارے میں سختی سے منع کیا گیا ہے لیکن یہی برائی ہم اتنی کثرت سے کرتے ہیں کہ اب یہ بری بات محسوس نہیں ہوتی۔ یہ ہماری رگ و پے میں رچ بس گئی ہے۔ جہاں دو افراد جمع ہوئے وہاں غیبت شروع ہوئی بلکہ اسکے لئے دو کا ہونا بھی ضروری نہیں کیونکہ ہماری خود کلامی بھی غیبت سے پُر ہوتی ہے۔ یہ ایسی برائی ہے کہ اس سے بڑے بڑے بھی نہیں بچے۔ یہاں تک کہ مذہبی رہنما بھی اس میں بری طرح لت پت نظر آتے ہیں۔ آج کے دور میں جو شخص غیبت سے پاک ہے وہی ولی اللہ ہے۔ اسی خصوصیت کی بنا پر فقیہہ عصر علامہ محمد عبداللہ احمد پور شرقیہ کے ایک بزرگ قاری سید عبدالعلیم صاحب کو وقت کا ولی قرار دیتے ہیں۔ یہ بزرگ خود غیبت کرنا تو درکنار کسی سے غیبت سنتے بھی نہیں۔ اگر کوئی ان کے سامنے کسی کی غیبت کرنے لگے تو یہ بات کاٹ کر اس کے احسن پہلو پر اظہار خیال کریں گے۔ یہ بزرگ کسی کے بارے میں سوئے ظن نہیں رکھتے بلکہ کسی کی خامیوں و زیادتیوں کو دیکھنے کے باوجود اس کے بارے میں ایسی رائے کا اظہار کریں گے جس سے حسن ظن کا پہلو نکلتا ہو.................اور.................یہ تو آپ جانتے ہی ہیں جو شخص کسی کی برائی کرنا نہ جانتا ہو اسکی شخصیت میں کرختگی نہیں ہوتی۔ اسی سبب قاری سید عبدالعلیم صاحب نرم مزاج، نرم دل، نرم زبان، نرم سبھاؤ اور نرم رفتار ہیں۔ وہ بات کرتے ہیں تو ان

Marfat.com

کا لہجہ حریری ہوتا ہے۔ وہ ایسے لوگوں میں سے ہیں جو محبتوں کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔

قاری سید عبدالعلیم صاحب کا حلیہ کچھ یوں ہے۔ میانہ قد، اکہرا بدن، گندمی رنگت، تقریباً سفید ڈاڑھی، زمانے کی گرم و سرد دیکھی سرمئی آنکھیں جن پر موٹے عدسوں کا چشمہ، لباس سادہ، عمومی طور پر سر پر جناح کیپ، کندھے پر رومال غرض پوری شخصیت درویشانہ اطوار لئے ہوئے ہے۔

قاری صاحب کے صحیح سنِ پیدائش کا تو علم نہیں تاہم اہم واقعات کی روشنی میں انہوں نے دستاویزات میں اپنا سن پیدائش نہایت محتاط اندازے سے 1935ء لکھوایا ہے۔

عبدالعلیم صاحب نے قرآن پاک اپنے والد قاری فتح الرحمانؒ جن کا شمار اپنے وقت کے اہل اللہ میں ہوتا تھا، سے مدرسہ اساس العلوم لدھیانہ میں حفظ کیا، پھر دادا حضور پیر جی سید عبدالرحمٰنؒ کی خدمت میں کھرڑ انبالہ میں حاضری دی جہاں حفظ کی دہرائی کی۔ دادا کے مدرسہ رحمانیہ میں آپ کے چچا مولانا عبدالرحیمؒ پڑھاتے تھے۔ انہوں نے قاری عبدالعلیم صاحب کو منشی فاضل کی تیاری کرائی۔ حفظ قرآن کے بعد قاری صاحب دوسری محراب پڑھا رہے تھے کہ پاکستان بن گیا۔ یہ اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ہمراہ ہجرت کر کے پاکستان میں ریاست بہاولپور کے شہر احمد پور شرقیہ چلے آئے۔ یہاں مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ مفتی واحد بخشؒ کے مدرسہ رفیق العلماء، جو جامعہ عباسیہ کی ایک شاخ تھی میں عربی صرف و نحو میں داخلہ لے لیا۔ یہیں سے آپ نے رابع عالم پاس کیا۔ پھر پنجاب یونیورسٹی سے 1952ء میں مولوی کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اسکے ساتھ ہی انہوں نے میٹرک بھی کر لیا۔ پھر جے اے وی کیا۔ جنوری 1953ء میں جامعہ عباسیہ کے زیر اہتمام چلنے والے دینی تعلیمی ادارے میں ملازمت اختیار کر لی۔ آپکی پہلی تقرری موضع پیر چنڑ پنڑ تحصیل خانپور میں ہوئی پھر تحصیل صادق آباد، رحیم یار خان اور احمد پور شرقیہ کے سکولوں میں چالیس سال گزارنے کے بعد ریٹائر ہو گئے۔ ریٹائرمنٹ کے وقت آپ کا سکیل بارھواں تھا۔

Marfat.com

قاری سید عبدالعلیم صاحب مولانا عبید اللہ انورؒ سے بیعت ہیں۔ انہوں نے حضرت میاں عبدالہادی دین پوریؒ، میاں مسعود دین پوری، مفتی واحد بخشؒ اور مولانا محمد عبداللہ جیسے اہل اللہ سے ظاہری و باطنی طور پر کسب فیض کیا۔

قاری صاحب اپنے اسلاف کی پیروی میں اعزازی طور پر مسجد کی امامت فرماتے ہیں۔ اپنے والد کی وفات کے بعد اسٹیشن والی مسجد کی امامت کی ذمہ داری قبول کی۔ اسکے علاوہ مسجد سیٹلائٹ ٹاؤن میں اعزازی خطیب و نگران بھی ہیں۔

قاری سید عبدالعلیم صاحب سب کے ہمدرد و غمگسار ہیں۔ وہ روزانہ شہر بھر میں بے شمار لوگوں کی مزاج پرسی کرتے ہیں۔ اگر کوئی اپنے کسی بیمار کو دم درود کرانے کے لئے انہیں ایک بار لے جائے تو یہ چار بار اس کی عیادت کے لئے جاتے ہیں۔ اگر کسی جاننے والے کا کوئی عزیز بھی بیمار ہو جائے اور خواہ وہ کسی دوسرے شہر میں رہتا ہو تو یہ اسکی طبیعت کے بارے میں روزانہ آگاہی اپنے فرائض میں تصور کرتے ہیں۔ ہمارے ایک عزیز کا کراچی میں رسولی کا آپریشن ہوا۔ قاری صاحب نے شاید انہیں دیکھا بھی نہ ہو پھر بھی بلاناغہ گھر آکر دریافت کرتے کہ کراچی سے خیریت کی کیا اطلاع ہے؟

قاری صاحب کو لوگ اپنی تقاریب میں برکت کے لئے مدعو کرتے ہیں اور یہ بہر صورت اس میں شریک ہونا اپنی ذمہ داری خیال کرتے ہیں۔ میرے ہاں دو تقاریب ایسی تھیں جن میں میں نے انہیں اور کچھ دوسرے بزرگوں کو مدعو کیا۔ دونوں تقاریب رات کو ہوئیں۔ میری قاری صاحب سے نیاز مندی ضرور تھی لیکن اتنا خصوصی تعلق نہ تھا کہ خاص طور پر احمد پور شرقیہ سے بہاولپور تشریف لاتے۔ آپ نے دونوں بار تشریف لاکر میری عزت افزائی کی۔ صرف یہی نہیں بلکہ مقررہ وقت پر تشریف لائے کہ جب کسی مہمان کا نام و نشان تک نہ تھا۔ دونوں بار تقریب خاصی تاخیر سے شروع ہوئی اور آپ کو بہت زیادہ انتظار کرنا پڑا میں بڑا شرمندہ تھا لیکن آپ نے قطعاً برا محسوس نہیں کیا اور نہ ہی کسی قسم کا کوئی گلہ کیا۔

قاری صاحب کا اپنائیت کا یہ رویہ کسی ایک شخص سے نہیں بلکہ ہر ایک کے ساتھ

Marfat.com

ہے۔ ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ قاری صاحب کا لطف و کرم صرف اسی کے ساتھ ہے۔ جب کہ شہر بھر ان سے فیض پاتا ہے۔

قاری سید عبدالعلیم صاحب کے زہد و تقویٰ کے سبب لوگ دم درود کے لئے ان کے پاس آتے ہیں ان کے معتقدین میں اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کی کمی نہیں۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ قاری صاحب کی دعا یا تعویذ اپنا اثر ضرور دکھاتا ہے۔ ایک صاحب مالی پریشانیوں کا سخت شکار تھے انہیں کاروبار میں آٹھ نو لاکھ روپے کا نقصان ہوا تھا۔ قرضدار اُن کے دروازے پر دستک دیتے تھے۔ ایک نے توزچ کر دیا تھا۔ یہ صاحب سخت پریشان تھے عجیب الجھن میں تھے کہ کیا کریں۔ ایک روز قاری صاحب ان کے پاس آگئے انہوں نے قاری صاحب سے اپنی پریشانی کے بارے میں عرض کیا قاری صاحب نے ایک تعویذ لکھ کر دیا کہ بازو پر باندھ لیا جائے اور کہا انشاء اللہ وہ شخص پریشان نہیں کرے گا۔ ان صاحب نے ایسا ہی کیا۔ نتیجہ فوری طور پر ظاہر ہوا کہ جو دن رات دروازے پر دستک دیتا تھا بلکہ محاصرہ کئے رکھتا تھا اس نے پریشان کرنا بند کر دیا۔

سحر کے شکار لوگ بھی قاری عبدالعلیم صاحب کے پاس آتے ہیں اور صحت یاب ہوتے ہیں ان کے ایک واقف کار تعلیم یافتہ نوجوان پر خون کے چھینٹے گرا کرتے تھے جب یہ بات قاری صاحب کے علم میں آئی تو تشویش میں مبتلا ہو گئے کہا یہ اچھی بات نہیں پھر اس نوجوان سے از خود ہی رابطہ کر کے علاج شروع کر دیا۔ باقاعدگی سے دم کرتے تھے شاید خود بھی وظائف کرتے ہوں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خون کے چھینٹے آنے بند ہو گئے۔ الحمد اللہ اب وہ نوجوان اس شر سے کاملاً محفوظ ہے۔

قاری عبدالعلیم صاحب نے اپنے گھر والوں کو ہدایت کر رکھی ہے کہ رات کے دو بجے بھی کوئی کسی غرض سے آئے تو اسے لوٹانا نہیں بلکہ انہیں بیدار کر دینا ہے۔ اور یہی ہوتا ہے کہ قاری صاحب اپنے معمولات سے فارغ ہو کر بستر پر دراز ہوتے ہیں کہ دروازے پر دستک ہوتی ہے۔ کوئی غرض مند انہیں ساتھ لے جانے کے لئے آیا کھڑا ہوتا ہے۔ یہ اس

Marfat.com

اجنبی ے ساتھ چلے جاتے ہیں وہاں مریض کو دیکھ کر قرآنی آیات کی تلاوت کر کے دم کرتے ہیں صرف اسی پر اکتفا نہیں ہوتا واپس گھر آکر مریض کے لئے مصلےٰ پر کھڑے ہو جاتے ہیں ذکر و اذکار اور وظائف میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اس سارے عمل میں رات کا بیشتر حصہ گزر جاتا ہے آپ کا آرام غارت جاتا ہے لیکن آپ کو اپنے آرام سے زیادہ مریض کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔ یہ ایک آدھ دفعہ کی بات نہیں بلکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔

خدمت خلق قاری صاحب کی خاندانی روایت ہے۔ جو انہیں اور انکے بھائیوں کو اپنے بزرگوں سے ورثے میں ملی ہے۔ یہ سب بھائی بلا کسی غرض کے دن بھر پریشان حال لوگوں کی خدمت پر کمر بستہ رہتے ہیں اپنے آرام کو تج دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس خاندان کو شہر بھر میں عقیدت و احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔

بہت سے لوگ قاری عبدالعلیم صاحب کو تصوف کی اعلیٰ منزلیں طے کیے ہوئے بزرگ تصور کرتے ہیں۔ جبکہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ صاحبِ کرامت بزرگ ہیں۔

ایک صاحب جو قاری صاحب کے پرانے مکان کے ہمسائے رہے ہیں وہ پچیس سال قبل کا عجیب و غریب واقعہ سناتے ہیں کہ ایک روز وہ اپنے کبوتروں کو دانہ ڈالنے کے لئے مکان کی چھت پر گئے تو برابر والے مکان سے قاری صاحب کے شور کی آواز سنی کہ وہ کسی سے لڑ رہے ہیں۔ ان صاحب نے دیوار سے جھانک کر دیکھا تو عجب منظر تھا۔ قاری صاحب کے سامنے ایک ریچھ ہے یہ اسے مار رہے ہیں اور اس پر خفا ہو رہے ہیں۔ یہ صاحب پریشان ہو گئے کہ گھر کے دیگر افراد کہاں ہیں؟ انکے گھر ریچھ کیسے آیا؟ پھر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ قاری صاحب راہ سلوک کی اعلیٰ منزلیں طے کیے ہوئے ہیں اور یہ اسی بزرگانہ کمال کی ایک جھلک ہے۔

قاری سید عبدالعلیم صاحب کے مقام و مرتبے سے احمد پور کے علماء و صلحاء بھی بخوبی واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس جنازے میں علامہ محمد عبداللہ اور قاری سید عبدالعلیم دونوں شریک ہوتے ہیں تو مولانا عبداللہ جنازہ پڑھانے سے گریز کرتے ہیں۔ ہمیشہ قاری عبدالعلیم صاحب کو ہی آگے کرتے ہیں۔

Marfat.com

قاری صاحب سب کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں لیکن ان کی آزمائشوں کا شاید ہی کسی کو ادراک ہو۔ وہ چونکہ صابر و شاکر ہیں اس لئے کبھی بھی کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لاتے۔ انہوں نے حالات کی ستم ظریفی کا رونا رونے کی بجائے ہمیشہ قناعت کو شعار بنایا۔ ان کی آزمائشیں ہم جیسے ناشکرے لوگوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اللہ والوں کی آزمائشیں عام افراد سے زیادہ ہوتی ہیں وہ دوسروں کے مسائل حل کرتے ہیں لیکن ان کے اپنے بے شمار مسئلے لاینحل ہوتے ہیں۔ ان کا قدم قدم پر امتحان ہوتا ہے۔ انہیں ہر امتحان میں پورا اترنا ہوتا ہے ان کے پاس کوئی چانس بھی نہیں ہوتا۔ ان کی نگاہیں ہر لمحہ اللہ غفور الرحیم پر ہوتی ہیں وہ اسی سے مدد اور عفو کے طالب ہوتے ہیں اور اسی کی رحمت انہیں دنیاوی ہوس سے دور رکھتی ہے۔

قاری سید عبدالعلیم صاحب عاجزی و انکساری کا پیکر ہیں۔ وہ اپنے دائرہ عمل میں رہ کر بہت کچھ کرتے ہیں لیکن انہیں اس امر کا افسوس ہے کہ انہوں نے زندگی میں کوئی علمی کام نہیں کیا۔ قاری صاحب کی ندامت بجا، لیکن ذرا یہ بھی سوچیئے کہ کیا قاری صاحب کے مشاغل غیر شرعی تھے جو انہوں نے وقت ضائع کیا؟ یقیناً نہیں۔ انہوں نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی پر ہر ممکن توجہ دی۔ لوگوں کو اصلاح و دعوت کی طرف متوجہ کیا۔ انہوں نے قول سے زیادہ فعل سے تبلیغ کی۔ ان کا یہی کام بہت ہے۔

اور اللہ جس سے جتنا کام لینا چاہتا ہے، لیتا ہے۔

استفادہ

۱۔ سید نسیم الحسن

۲۔ سید بلال احمد

۳۔ سید محمد اطہر

Marfat.com

حضرت حافظ محمد سعید

مچھلی بازار بہاولپور میں ہومیو پیتھک ڈاکٹر احمد حسن مرحوم کے کلینک کے سامنے خیاطی کی ایک چھوٹی سی دکان ہے۔ جس پر نورانی چہرے والے بزرگ بیٹھے اپنا کام کر رہے ہوتے ہیں اور ساتھ بیٹھا ہوا کوئی حافظ انہیں قرآن سنا رہا ہوتا ہے یا وہ خود زیرِ لب تلاوت قرآن کر رہے ہوتے ہیں ان بزرگ کا اسم گرامی حافظ محمد سعیدؒ ہے اور یہ قاضی شہر قاضی رشید احمد کے برادر خورد ہیں۔ ان کے والد مولانا محمد رمضان نور محل کی مسجد میں امام تھے۔ قبل ازیں دادا قاضی سراج احمد صاحب نے بھی وہیں امامت کرائی نواب بہاولپور ان کی اقتداء میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے عربی میں بارہ کتابیں لکھیں۔

حافظ سعید صاحب یکم دسمبر 1923ء کو بہاولپور میں پیدا ہوئے۔ اپنے چچا اور مسجد مچھی ہٹہ کے امام حافظ عبدالرحمان سے قرآن پاک حفظ کیا۔ مولانا عبیداللہ سے فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ مولانا عبداللہ بہلوی سے بیعت کی۔ یہ بزرگ شجاع آباد میں مقیم ہیں۔ حافظ صاحب نے حصول علم کے بعد خیاطی کے پیشہ کو اپنایا۔

حافظ صاحب کا قد پستہ، آنکھیں روشن اور بڑی، بھویں سفید، رنگ دودھیا، داڑھی گول اور جسم پھرتیلا ہے۔ چوکور ٹوپی پہنتے ہیں اس کے اوپر رومال باندھتے ہیں جس کے سرے دونوں اطراف سے لٹکا کر واپس سر پر ڈال لیتے ہیں۔ ان کی گفتگو میں تیزی اور روانی

Marfat.com

ہے یہ شاید برسوں سے تمام دن قرآن پڑھتے رہنے کا سبب ہے۔ وہ دھیمے انداز میں گفتگو کرتے ہیں۔

حافظ صاحب تلاش معاش اور مقامات مقدسہ کی زیارت کے شوق میں سعودی عرب بھی گئے جہاں چھ سال تک مقیم رہے روانگی سے قبل انہوں نے اپنی والدہ محترمہ سے اجازت لی۔ اس تمام عرصے میں انہوں نے چھ حج کیے اور حج اکبر کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ جب وہ سعودیہ گئے تو پہلے ہی سال کفیل کو کہا کہ رمضان میں میں کام نہیں کرونگا۔ کفیل چھٹی دینے میں نہایت بخیل تھا لیکن اس کے دل میں اللہ نے کچھ ایسی نرمی پیدا کر دی کہ اس نے آپ کو اجازت دے دی۔ آپ تمام رات مسجد نبویؐ میں گزارتے۔ دوران رمضان عمرہ بھی فرماتے۔ کفیل آپ کے زہد و تقویٰ سے اتنا متاثر تھا کہ کوئی آپ سے ملنے آجاتا تو وہ اعتراض نہ کرتا جب کہ وہ کسی بھی دوسرے شخص کو ایسا نہ کرنے دیتا۔ یہاں تک کہ کوئی دوسرا پاس بھی نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ پاکستان چھٹی پر آئے۔ والدہ نے جانے کی اجازت نہ دی۔ آپ رکے رہے۔ کفیل آپ کو پاکستان لینے آیا لیکن آپ نے فرمایا کہ والدہ کا حکم ہے کہ نہ جاؤ۔ ان کی اجازت کے بغیر نہیں جا سکتا۔ اسی دوران والدہ کا انتقال ہو گیا ویزہ چھ ماہ کا تھا لیکن آپ کو یہاں رکے ہوئے آٹھ ماہ گزر چکے تھے۔ اس لئے اب نہیں جا سکتے تھے۔ اس ایک واقعے سے حافظ صاحب کی والدین سے محبت و اطاعت کی خصوصیت سامنے آتی ہے۔ آپ کو ان کی خفگی کسی بھی صورت منظور نہ تھی۔

عرب میں قیام کے دوران بھی حافظ صاحب کا درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا ممتاز سکالر ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ کے بچے ان سے پڑھتے رہے ہیں۔ ایک عرب افسر نے 45 سال کی عمر میں آپ سے قرآن پاک حفظ کیا۔ وہاں بہت سے لوگ ایسے تھے جو کئی کئی سالوں کے قرآن پاک بھولے ہوئے تھے آپ نے انہیں دوبارہ یاد کرایا۔ مدینہ میں ایک شخص نے 18 سال قبل قرآن پاک یاد کر کے فراموش کر دیا تھا۔ آپ نے اسے دوبارہ حفظ قرآن کی دولت سے مالا مال کیا۔ اسی طرح ایک اور شخص 12 سال کا بھولا ہوا تھا اسے بھی یاد

Marfat.com

کرایا۔ وطن واپسی پر بھی آپ نے یہ سلسلہ ترک نہیں کیا۔ وہ مسلسل 58 سال سے قرآن پاک کی تدریس کر رہے ہیں ہزاروں لوگوں کو قرآن پاک حفظ کرایا بے شمار بھولے ہوؤں کو نہ صرف یاد کرایا بلکہ انہیں اس غفلت کی سنگینی کا احساس کرایا۔ نامور قاریوں کے بچے ، بھائی وغیرہ ان سے ہی حفظ کرنے آتے ہیں زیادہ تر حفاظ انہیں ہی منزلیں سناتے ہیں۔

حافظ صاحب محلہ عام خاص کی ایک مسجد کے امام بھی ہیں وہ فجر اور عشاء کی نماز میں تسلسل سے قرآن پاک پڑھتے ہیں۔ وہ ان دو نمازوں میں ترتیب سے قرآن پاک چار ماہ میں ختم کر لیتے ہیں۔ حافظ صاحب کے حوالے سے ایک واقعہ مشہور ہے کہ فجر کی نماز کی امامت کے دوران ان کی آنکھ لگ گئی اور اس دوران وہ ساڑھے چھ سپارے پڑھ گئے۔ میں نے ان سے منسوب اس واقعے کی تصدیق چاہی تو دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "جوانی کا واقعہ ہے عشاء کی نماز پڑھانے لگا سورہ طٰہٰ شروع کی جو نصف سپارے کی ہے اس دوران آنکھ لگ گئی اور سترھواں پارہ شروع ہو گیا۔ مسجد کے مستقل امام صاحب جنہیں ہر بات پر لاحول پڑھنے کی عادت تھی انہوں نے لاحول پڑھی اور جوتی اٹھائی جس سے میری آنکھ کھل گئی۔"

حافظ صاحب سلف صالحین کی طرح قناعت پسند ہیں ان کا پیشہ خیاطی ہے اسی پر گزر بسر کرتے ہیں۔ مدینہ میں ایک جبہ روزانہ سیتے تھے جس کے چھ سات ریال ملتے تھے۔ وہی خرچ ہو جاتے تھے۔ تنگ دستی میں وقت گزارا۔ جن کپڑوں میں گئے تھے چھ سال بعد انہی کپڑوں میں واپس لوٹے۔ وہ امامت بغیر اجرت کے کرتے ہیں۔ ان کی قلیل آمدنی کے پیش نظر مسجد کی انتظامیہ انہیں اعزازیہ دینا چاہتی ہے لیکن آپ قبول نہیں فرماتے۔ حاجت مند آپ کے پاس دعا و تعویذ کے لئے آتے ہیں۔ آپ قرآنی آیات پر مبنی تعویذ فی سبیل اللہ دیتے ہیں۔ کبھی بھی کسی سے کوئی پیسہ نہیں لیا۔

حافظ صاحب ایک متقی انسان ہیں۔ ان کے تقویٰ اور پرہیز گاری کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ تیس سال قبل خیاطی میں کم آمدنی کے پیش نظر ذہن میں یہ تجویز ابھری کہ دکان پر پان سگریٹ بھی رکھ لئے جائیں اس سے کچھ آمدنی بڑھے گی۔ جب یہ کام

Marfat.com

شروع کر دیا تو خیال آیا کہ میں دکان پر قرآن پڑھاتا ہوں جبکہ تمباکو نوشی مذہباً حرام ہے۔ اس خیال کے آتے ہی انہوں نے یہ کاروبار ترک کر دیا۔ انہیں گولڈ لیف کا لائسنس بہت آسانی سے مل سکتا تھا جبکہ یہ سگریٹ اس وقت کارڈ پر ملتی تھی۔ سوچیئے اگر وہ لائسنس لے لیتے تو وہ بہت کچھ کما لیتے لیکن غیر شرعی کام سے گریز کیا۔

حافظ صاحب سادہ مزاج ہیں۔ محفل میں جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ گے۔ ایک بار میں نے ایک مذہبی تقریب میں دیکھا کہ دیر سے آنے کے باعث آپ کو جگہ نہ ملی آپ جوتیوں والی جگہ پر ہی بیٹھ گئے.......... آپ کرسی پر نہیں بیٹھتے فرماتے ہیں اس سے تکبر پیدا ہوتا ہے۔ یہ صرف اللہ کے لئے ہے۔

حافظ صاحب عفوو درگزر کا بہترین نمونہ ہیں۔ جب بھی کوئی شخص آپ کے ساتھ زیادتی کرتا ہے تو آپ درگزر فرماتے ہیں لیکن جب یہ عمل بڑھ جائے اور آپ تنگ آجائیں تو کسی تیسرے شخص کے ذریعہ مصالحت کی کوشش کرتے ہیں جبکہ ان کا احترام اتنا ہے کہ اگر وہ ایک اشارہ کریں تو کئی لوگ ان کی مدد کو اٹھ کھڑے ہوں اور شریر کو مزہ چکھا دیں مگر آپ نے یہ راستہ کبھی بھی اختیار نہیں کیا۔ جھگڑے پر ہمیشہ صلح صفائی کو ترجیح دی۔ اس ضمن میں ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص آپ سے کسی کا پتہ پوچھنے آیا پتہ معلوم نہ ہونے کے باعث آپ نے اس کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا وہ شخص سیخ پا ہو گیا اور گالیاں دینے لگا۔ آپ مسلسل خاموش رہے۔ جب وہ چلا گیا تو آپ نے اس شخص کا گھر معلوم کیا اور خود تشریف لے جا کر معافی چاہی اور واضح کیا کہ مجھے واقعی مطلوبہ شخص کا پتہ معلوم نہیں۔ حالانکہ قصور اس شخص کا تھا اسے اپنے کیئے پر ندامت ہونی چاہیے تھی لیکن آپ نے اس امر کی معذرت چاہی کہ آپ لاعلمی کے پیش نظر اس کی مدد نہ کر سکے جس سے اسے اشتعال آیا۔ آج کے دور میں اس سے زیادہ درگزر کی اور کیا مثال ہو گی۔

حافظ صاحب میں عجز و انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اگر وہ کسی کو خواہ وہ کتنے ہی کمتر درجے کا مالک ہو کام کہیں گے تو نہایت عجز کے ساتھ ان الفاظ میں کہیں گے۔

Marfat.com

"عرض یہ ہے........." حالانکہ دوسرا شخص ان کا کام کرنا باعث فخر اور اعزاز سمجھتا ہے۔ اگر کوئی شاگرد احترام میں آپ کی جوتیاں اٹھا کر سیدھی کرنا چاہے تو وہ اس سے چھین کر خود کرتے ہیں۔ انہیں یہ گوارا نہیں کہ کوئی شخص ان کی جوتیاں اٹھائے شاید یہ احتیاط اس وجہ سے ہو کہ شیطان لعین کہیں دل میں تکبر اور بڑائی کا احساس نہ پیدا کر دے۔

حافظ صاحب بیمار کی عیادت اور نماز جنازہ کی ادائیگی میں ذرا سی بھی غفلت نہیں برتتے۔ انہیں کسی کی بیماری کا علم ہو جائے تو وہ اپنا تمام کام چھوڑ کر اس کی عیادت کو جائیں گے خواہ انہیں دو تین میل ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ اسی طرح کسی بھی شخص کے جنازے کے بارے میں معلوم ہو جائے تو وہ جنازہ کے ساتھ جائیں گے، نماز جنازہ پڑھیں گے، قبرستان جائیں گے۔ وہاں ننگے پاؤں پھریں گے۔ قبر پر مٹی ڈالیں گے اور پھر واپس ہوں گے۔ ان کے اس معمول میں واقف کار یا ناواقف کسی کی تخصیص نہیں ہے۔

حافظ صاحب کسی کی دل شکنی نہیں کرتے۔ کوئی انہیں اپنی تقریب یا ویسے ہی گھر پر مدعو کرے تو تشریف لاتے ہیں اسی طرح اگر کوئی دعوت کرے تو اسے بھی قبول کر لیتے ہیں۔ وہ بہت کم لیکن چبا چبا کر دیر تک کھاتے ہیں۔

حافظ صاحب عوام و خواص دونوں طبقوں میں احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اس سلسلہ میں ان کے ایک معتقد نذیر احمد بیان کرتے ہیں کہ 1978ء میں انہیں ہندوستان جانا تھا ان دنوں پاک بھارت تعلقات ٹھیک نہیں تھے۔ سوئٹزر لینڈ کے ذریعہ مراسلت ہوتی تھی۔ نذیر احمد کے این او سی کی مدت ختم ہو گئی تھی۔ وہ حافظ صاحب کی خدمت میں مدد کے لیے حاضر ہوئے حافظ صاحب نے اسسٹنٹ ہوم سیکریٹری عبدالرشید سیال کے نام ایک سفارشی رقعہ لکھا جس میں یہ بھی دریافت کیا کہ ان کے بیٹے کو دارالعلوم دیوبند میں تعلیم دلانے کے سلسلہ میں ان کے کاغذات کا کیا بنا؟ نذیر صاحب لاہور گئے دفتر میں بتایا گیا کہ سیال صاحب سے ملاقات بہت مشکل ہے۔ ایک طویل فارم پر کرنے کے لئے دیا گیا۔ نذیر صاحب نے کہا کہ آپ صرف یہ پیغام پہنچا دیں کہ بہاولپور سے ان کے عزیز حافظ سعید

Marfat.com

صاحب اور نذیر احمد آئے ہیں جب یہ اطلاع ہوم سیکریٹری کے پاس پہنچی تو وہ تمام پروٹوکول اور حفاظتی انتظامات کو نظر انداز کر کے خود آئے۔ دیکھتے ہی پوچھا "حافظ صاحب کہاں ہیں۔" نذیر صاحب نے کہا ان کا رقعہ ہے اور میں ہوں "سیال صاحب نے اس رقعے کو لے کر آنکھوں سے لگایا اور کہا کہ اس کی زحمت کیوں کی۔؟ اس کے بعد اسسٹنٹ ہوم سیکریٹری عبدالرشید سیال نے نذیر صاحب کا کام فوراً کر دیا۔

حافظ سعید صاحب ہمہ جہت شخصیت ہیں۔ ان کی صحبت میں بیٹھ کر روحانی تازگی ملتی ہے۔ وہ اہل بہاولپور کے لئے خوش بختی کی علامت ہیں۔ خدا ان کا سایہ تا دیر رکھے۔ (آمین)

استفادہ

۱۔ محمد شفیق

۲۔ نذیر احمد

Marfat.com

حضرت شیخ دین محمد

1947ء میں جب بٹوارہ ہوا اور نقل مکانی ہوئی تو فسادات پھوٹ پڑے۔ مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ رد عمل کے طور پر مسلمان علاقوں میں بھی تشدد کے واقعات رونما ہوئے۔ کہروڑ پکا ضلع ملتان کے موضع گوپال پورہ چاہ اکاہاں والا کے ایک ہندو خاندان کو اپنے علاقے کے بڑے زمیندار کانجو کی طرف سے جانوں کا خطرہ لاحق ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس ہندو خاندان کے سربراہ کشنائل کی ساڑھے چار مربعہ اراضی اس مسلمان وڈیرے کے ساتھ ملتی تھی وہ اسے ہتھیانا چاہتا تھا۔ اس نے ہندو خاندان کی منقولہ جائیداد مثلاً درختوں، بیلوں، بھینسوں وغیرہ کو سمیٹنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے اس خاندان کی جانوں کے درپے تھا۔ یہ صورتحال دیکھ کر کشنائل اپنے بیٹوں، پوتوں اور خواتین کے ہمراہ گھر چھوڑ کر ایک میل دور ایک درد مند ورحمدل پہلوان میرن کے گھر پناہ گزین ہو گیا پھر یہ گھرانہ اس گھر میں دو بلوچ بھائیوں قادر بخش خاں اور احمد خاں کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ لیکن اس خاندان کا ایک بچہ رام لعل جس نے ابھی مڈل کا امتحان پاس کیا تھا اس نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا اس نے مسلمانوں پر سخت اعتراضات کئے کہ یہ خونخوار ہوتے ہیں، ظالم ہوتے ہیں، صفائی پسند نہیں ہوتے، دوسروں کا حق چھین لیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ دراصل اس کا ایک خاص پس منظر تھا اور وہ رام لعل کے اپنے تلخ تجربات تھے۔ پہلی بات یہ کہ

Marfat.com

سکول میں مسلمانوں کی اکثریت تھی جبکہ کلاس میں صرف دو ہندو طلباء رام لعل اور سندر لعل تھے۔ مسلمان طلبہ ان دونوں کو زچ کرتے تھے اور ایذاء پہنچاتے تھے، بلاوجہ مارنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ سکول گھر سے کئی میل کے فاصلے پر تھا۔ ہندو لڑکے اپنا کھانا انڈے، پراٹھے وغیرہ ہمراہ لے کر جاتے۔ ایک مسلمان شرارتی لڑکا بشیر احمد شاہ صبح کو گھر سے چلتا۔ راستے میں رک جاتا۔ جب یہ دونوں ہندو لڑکے وہاں پہنچتے تو وہ ان کے کھانے کو ہاتھ لگا دیتا۔ جس کو وہ نجس سمجھ کر پھینک دیتے۔ وہ اٹھا کر کھا لیتا اور تمام دن انہیں بھوک کا سامنا کرنا پڑتا ان وجوہات کی بناء پر رام لعل مسلمانوں کو غاصب، ظالم اور سفاک سمجھتا تھا اور اسے اسلام قبول کرنے میں تامل تھا لیکن احمد بخش خاں نے خوب اچھی طرح سمجھایا۔ اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی بالآخر بڑی ردو کد کے بعد سب سے آخر میں یہ نو عمر لڑکا مسلمان ہوا جس کا نام دین محمد رکھا گیا۔

بد قسمتی سے رائے عامہ ان نو مسلموں سے شاکی رہی انہیں ادنیٰ درجے کا سمجھا جانے لگا "ہندو کی اولاد" کہہ کر مخاطب کیا جاتا۔ زمیندار تو جائیداد کے چکر میں تھا لیکن عوام میں بھی شر پھیلانے والوں کی کمی نہ تھی۔ کچھ لوگ محمد بخش (تشنائل) کے بیٹے اللہ بخش (کالا رام اور نو مسلم دین محمد کے والد) کے پاس آئے اور کہا کہ اپنی تینوں لڑکیاں ہمیں دے دو۔ انہوں نے کہا۔ ابھی کچھ دن ٹھہر جائیں۔ آپ ہمیں دیکھیں ہم آپ کو دیکھیں گے۔ بعد میں رشتے بھی ہو جائیں گے لیکن علاقے کے مسلمان بضد ہو گئے تو اللہ بخش (کالا رام) نے کہا کہ میرے بھی تین لڑکے ہیں تم انہیں اپنی لڑکیاں دے دو۔ میں اپنی بیٹیوں کی شادی کر دوں گا۔ اس پر لوگ مشتعل ہو گئے اور کہا ہم تمہیں اپنی بیٹیاں کیسے دے سکتے ہیں تم تو ہندوؤں کی اولاد ہو۔ ہم تمہیں جان سے مار ڈالیں گے۔ یہ فتنہ بڑھا۔ سب ان نو مسلموں کے دشمن ہو گئے۔ میرن پہلوان نے اپنے ان پناہ گزینوں پر مزید ستم یہ کیا کہ انہیں لے جا کر مندر میں چھوڑ آیا۔ جہاں یہ اب بالکل غیر محفوظ ہو گئے تھے۔ اس اثناء میں دین محمد یعنی رام لعل کا ایک بھائی لعل چند جو کہ پہلے ہی ہندوستان جا چکا تھا۔ اس کا خط آیا کہ میں یہاں آرام و سکون سے ہوں۔

Marfat.com

میرے پاس بہت کچھ ہے تم سب یہاں آجاؤ۔ اس خاندان نے پیغام بھجا کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں لیکن پھر بھی بہت غیر محفوظ ہیں للہذا آکر لے جاؤ۔ ساتھ فوج کو لے کر آنا۔ پھر کچھ ہی دنوں بعد 1949ء کے آغاز میں لعل چند فوج کو لے کر آگیا۔ اور سب نے روانگی کی تیاری کی لیکن نو عمر دین محمد جو پہلے اسلام قبول کرنے میں متامل تھا اب اس نے دوبارہ ہندو ہونے اور ہندوستان جانے سے انکار کر دیا۔ اسے زبر دستی ٹرک میں ڈال دیا گیا لیکن وہ راستے میں موقع پا کر فرار ہو گیا..................سب چلے گئے..................یہ یہیں رہ گیا۔

نو مسلم دین محمد نے جب اسلام قبول کیا تھا تو اس کے سکول کے سیکنڈ ہیڈ ماسٹر اللہ دتہ صاحب جو کہ والد کے دوست بھی تھے وہ بہت مسرور تھے اور اس نو عمر سے ٹوٹ کر محبت کرنے لگے۔ دین محمد گھر والوں کو چھوڑ چکا تھا۔ وہ اب بے یار و مدد گار تھا۔ اس نے ماسٹر اللہ دتہ کے گھر کو گوشہ عافیت سمجھا اور وہاں آگیا۔ ماسٹر صاحب نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور شفقت و محبت کے پھول نچھاور کر دیے۔

دین محمد قرآن حکیم کی تعلیم مستری محمود سے پہلے ہی حاصل کر رہے تھے انہوں نے اپنے سلسلے کو جاری رکھا اور اس کی ناظرہ تکمیل کی۔ اس کے بعد 1950ء میں ان کے محسن ماسٹر اللہ دتہ نے انہیں سمجھایا کہ "چوٹی کٹانے، ختنہ کرانے اور ہیئت تبدیل کر لینے سے کام نہیں چلتا۔ تم جس راستے پر چلے ہو اس کی روح کو سمجھو اسے اتنا پڑھو اور یہ مقام حاصل کر لو کہ تم ہمیں بھی سمجھاؤ۔ میں تمہارا تمام خرچہ برداشت کرونگا" پھر وہ شیخ دین محمد کو جامعہ عباسیہ جیسی عظیم دینی درسگاہ میں نہایت محبت سے داخل کرا گئے۔ پابندی سے خرچہ بھیجتے، ملنے کے لئے آتے، شیخ صاحب گھر جاتے تو سبق سنتے سمجھاتے۔ ماسٹر اللہ دتہ فارسی کے بہت بڑے عالم تھے۔ ہر طرح سے انہوں نے دیکھ بھال کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیخ دین محمد صاحب نے پڑھائی پر اتنی توجہ دی کہ

ایک سال میں دو جماعتیں کرنی شروع کر دیں اور ہر جماعت میں پہلی پوزیشن حاصل کرتے 1957ء میں علامہ کا دس سالہ کورس چھ سال میں امتیازی حیثیت سے پاس کر لیا۔ اسی دوران

Marfat.com

1954ء میں میٹرک انگریزی کے امتحان میں پنجاب بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کی اس ضمن میں شیخ صاحب بتاتے ہیں کہ انگریزی کے امتحانی پرچہ میں اردو سے انگریزی ترجمہ کا سوال آیا تو میرے ذہن میں سابقہ تعلیم اور مشق کی بنا پر اس کا عربی ترجمہ آتا رہا لیکن پوری توجہ اور سکون سے اس مشکل پر قابو پالیا اور سارا پرچہ بالکل صحیح حل کیا۔ پھر شیخ صاحب نے مولوی فاضل اور ایف اے ایک ہی سال میں کیا۔ قبل ازیں شیخ صاحب مولوی کے امتحان میں اول آئے تھے جس پر پنجاب یونیورسٹی نے ملازمت کے لئے بلایا لیکن آپ اپنی مجبوریوں کے باعث نہ جاسکے۔

بہر حال اب شیخ صاحب مستند عالم دین بن چکے تھے ماسٹر اللہ دتہ کا خواب کسی حد تک پورا ہو چکا تھا۔ اب انہیں نان و نفقہ کا خود بندوبست کرنا تھا۔ اپنے شفیق محسن پر مزید بار بننا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے جامع مسجد الصادق سے ملحقہ عمارت میں قائم اوقاف کے زیر اہتمام چلنے والے دارالعلوم دینیہ میں نائب مدرس کی حیثیت سے 1958ء میں ملازمت اختیار کرلی۔ یہاں انہوں نے اوقاف کے لائبریرین اور جامع مسجد کے نائب امام کی ذمہ داریاں بھی ادا کیں۔ مولانا اسرار الحق جامع مسجد الصادق کے امام تھے جب وہ جاتے تو نماز پڑھانے کے لئے شیخ صاحب کو کہہ جاتے۔ یہ سلسلہ سات سال تک چلتا رہا پھر انہیں بلدیہ کے زیر اہتمام ملازمت کا موقع ملا تو انہوں نے صدر مدرس و مہتمم مولانا اسرار الحق سے مشورہ کیا انہوں نے کہا کہ اوقاف کی ملازمت عارضی ہے جب چاہیں نکال دیں۔ پنشن نہیں لہٰذا سرکاری ملازمت بہتر ہے۔ نومبر 1963ء میں 80 روپے ماہوار پر مڈل سکول بستی ساہلاں میں ملازم ہو گئے بعد ازاں رفیق مڈل سکول چاہ فتح خان بہاولپور میں تبادلہ ہو گیا۔ جہاں اٹھائیس سال رہ کر 31 دسمبر 1991 کو ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے وقت آپ کا پندرھواں سکیل تھا۔ اس دوران کئی بار آپ کا تبادلہ ہوا۔ لیکن ہر بار زبردست عوامی احتجاج کے پیشِ نظر انتظامیہ کو فیصلہ واپس لینا پڑتا۔

شیخ صاحب نے دوران ملازمت اپنا تعلیمی سفر جاری رکھا اور ایم اے اسلامیات و

Marfat.com

عربی (الشہادت العالیہ) کیا۔ اس طرح وہ دینی و دیناوی تعلیم میں کسی سے پیچھے نہ رہے۔

شیخ صاحب کا خاندان جو کہ شرنار تھی بن کر ہندوستان کے علاقہ بھیوانی ضلع حصار میں منتقل ہو چکا تھا اور مسلمانوں کے ناروا رویہ کے باعث اپنے آبائی مذہب کو دوبارہ اختیار کر چکا تھا۔ وہاں جانے کے چند دنوں کے بعد پہلے دادا اشنا کل اور پھر والد کالا رام سورگباش ہو گئے۔ ان کے گھر والوں کو شیخ صاحب کا پتہ معلوم نہ تھا اس لئے وہ اپنے آبائی علاقے میں کسی نہ کسی کو خط لکھ دیتے جو شیخ صاحب تک پہنچ جاتا۔ ہر خط میں ان کی والدہ اور بھائیوں نے انہیں یہ لکھا کہ ''ہم یہ جانتے ہیں کہ آپ مسلمان ہیں، آپ اپنے نئے مذہب سے نہیں لوٹیں گے۔ ہم آپ کو مسلمان کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں۔ ہم آپکو اپنے مذہب پر واپس آنے کے لئے اصرار نہیں کرینگے۔ ہم آپ کے لئے تڑپتے ہیں۔ آپ ایک بار یہاں آجائیں سب سے مل جائیں واپسی پر ہم آپ کو نہیں روکیں گے۔ آپ کے آنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ سب لوگ آپ کو دیکھ اور مل لیں گے لیکن ہم سب کا وہاں آنا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ آپ آسانی سے آسکتے ہیں جبکہ ہم ایسا نہیں کر سکتے صرف ایک بار مل جائیں.................'' ان خطوط پر شیخ دین محمد صاحب نے اپنے تفسیر کے استاد محترم مولانا عبید اللہؒ سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ''اس وقت آپ کو اور آپ کے تمام متعلقین کو صبر آیا ہوا ہے۔ خاص طور پر والدین کو اس بات پر تسلی و تشفی ہے کہ ان کا بیٹا زندہ ہے، خیریت سے ہے۔ جب آپ وہاں جائیں گے۔ لوگوں سے ملیں گے، دن اچھے گزریں گے اور وہاں سے واپسی ہو گی تو والدہ آپ کی جدائی برداشت نہ کر سکیں گی۔ وہ زار و قطار روئیں گی، آپ سے لپٹیں گی، باقی سب لوگ بھی آپ کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ آپ بھی ان کی کیفیت سے متاثر ہونگے۔ پریشانی ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے صبر کا پیمانہ بھی چھلک جائے اور پائے استقلال میں لغزش آجائے۔ اس طرح معاملہ بگڑ جائے گا لہٰذا بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے والدین کو خط لکھا کریں اور انہیں ہر خط میں اسلام کی دعوت دیں۔'' شیخ صاحب نے اپنے استاد کی اس نصیحت کو پلو میں باندھ لیا اور اس پر آج تک عمل پیرا ہیں۔ انہوں نے ہر خط میں اپنے عزیزو

Marfat.com

اقرباء کو قبول اسلام کی دعوت دی ان کا گھر والوں سے خطوط کا سلسلہ 1965ء تک رہا۔ پھر پاک بھارت تعلقات خراب ہونے کے باعث انہوں نے خط لکھنے بند کر دیئے۔ اس کے بعد ان کے گھر والوں نے بھی خط لکھنے ترک کر دیئے۔ 1971ء کے بعد سے تو دونوں جانب سے سلسلہ منقطع ہے۔ شیخ صاحب کو معلوم نہیں کہ ان کی والدہ زندہ ہیں یا چل بسی ہیں۔ ان کے بھائی اور خاندان کے دیگر لوگ کہاں اور کس حال میں رہتے ہیں۔

1960ء میں ایک نو مسلم ڈاکٹر محمد یار بھیوانی گئے۔ وہاں ایک مٹھائی کی دکان پر بیٹھے تھے۔ دکاندار نے پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ اس نے بتایا کہ پاکستان کے قصبے کہروڑ پکا کے مضافات سے۔ تو دکاندار نے شیخ صاحب کے بارے میں تفصیلات بتائیں کہا کہ ہم اس کے بھائی ہیں۔ پوچھا کہ کیا وہ کبھی ملتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ایک بار ہمارے علاقے میں تقریر کرنے آیا تھا۔ اس کی شادی ہو گئی ہے اور ایک بچہ بھی ہے۔ بھائیوں نے بچے کے لئے کچھ تحائف اور پیسے بھیجے تھے۔ اس طرح لین دین کے سلسلہ میں شیخ صاحب کا یہ آخری رابطہ تھا۔ جو بالواسطہ ہوا۔

شیخ صاحب کے استاد مکرم وفات پا چکے ہیں سالہا سال بیت چکے ہیں، جذبات سرد ہو گئے ہیں۔ اب وہ اپنے استاد کی نصیحت کے پابند نہیں۔ انہیں بہت سے لوگ انڈیا لے جانے کے لئے کہتے ہیں لیکن وہ انکار کر دیتے ہیں انہیں خدشہ ہے کہ ان کے جانے پر ہمجولی چڑیں گے، وہ ترچھی نگاہوں سے دیکھیں گے کہ یہ وہی شخص ہے جس نے اپنے آبائی مذہب کو چھوڑا، سب کی ناک کٹوائی۔ اب یہ ہم میں سے نہیں۔ اس خیال کے آتے ہی متعصب ہندو ذہنیت ان سے نفرت کا اظہار کرے گی اور ان کے لئے مشکلات کھڑی کر دی جائیں گی۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسا شیطانی چکر چلا دیا جائے جس سے انہیں روک لیا جائے، جاسوسی، دہشت گردی یا کسی اور ایسے الزام میں انہیں دھر لیا جائے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ جب سے مسلمان ہوا ہوں کبھی بھی اپنے والدین یا عزیز و اقرباء کے بارے میں خیال نہیں آیا اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے مسلمان بھائیوں نے بہت محبت

Marfat.com

دی ہے، بہت تعاون کیا ہے، بہت احترم کیا ہے۔

شیخ دین محمد صاحب کی شادی کا قصہ بھی دلچسپ ہے۔ شیخ صاحب ابھی جامعہ عباسیہ میں زیر تعلیم تھے۔ ایک روز وہ اپنے استاد مکرم مولانا عبید اللہ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک عالم دین مولانا غلام رسول، مولانا عبید اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنے خانگی معاملات بتاتے ہوئے کہا کہ انہیں اپنی لڑکی کے لئے رشتہ درکار ہے مجھے کوئی ایسا لڑکا دیں جو شریف ہو اور جس کے آگے پیچھے کوئی نہ ہو۔ یہ سن کر مولانا عبید اللہ نے شیخ صاحب کی طرف دیکھا مسکرائے اور کہا اچھا شام کو بتاؤنگا۔ مولانا عبید اللہ نے مولانا غلام رسول سے ایک الگ ملاقات میں شیخ دین محمد صاحب کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کیا بعد ازاں مولانا غلام رسول، مولانا عبید اللہ کے داماد مولانا شیخ کلیم اللہ سے ملے۔ انہوں نے بھی اسی نوع کی تفصیلات فراہم کیں۔ وہ پھر ایک دن شیخ صاحب سے ملاقات کے لئے گئے۔ اس وقت تک شیخ صاحب تمام کارروائی سے بے خبر رہے۔ ایک روز شیخ صاحب کو بتایا گیا کہ تمہارا ابھی تھوڑی دیر بعد نکاح ہوگا۔ اس تقریب میں شیخ الجامعہ مولانا ناظم ندوی اور دیگر شیوخ مولانا عبید اللہ، مولانا محمد صادق، مولانا عبدالحمید رضوانی، شیخ کلیم اللہ اور ڈی ایس پی بشیر بھی موجود تھے۔ اس وقت شیخ دین محمد صاحب کو احساس ہو چکا تھا کہ ان کا نکاح ہو رہا ہے۔ مولانا محمد صادقؒ نے خطبہ پڑھا جب کہ ایجاب و قبول مولانا عبید اللہؒ نے کرایا۔ یہ 1954ء کا واقعہ ہے لیکن رخصتی حصول تعلیم کے بعد 1957ء میں ہوئی پہلے دو بچے یکے بعد دیگرے پیدائش کے بعد اللہ کو پیارے ہوئے۔ 1960ء میں ان کا بیٹا شیخ سعدی پیدا ہوا۔ جس نے ایم ایس سی کمپیوٹر سائنس کی اب اسلامیہ یونیورسٹی میں ملازم ہے۔ دوسرے بیٹے نے ایم ایس سی کیمسٹری اور بی ایڈ کیا ہے۔ ماشااللہ وہ بھی برسر روزگار ہے۔ تیسرا بیٹا ایسوسی ایٹ انجینرنگ کے ڈپلوما کے بعد محکمہ ٹیلی فون ہری پور ہزارہ میں ملازم ہے۔ آج کل اپنے ہی شعبے میں اعلیٰ تعلیم کے لئے فلپائن گیا ہوا ہے۔ ان کی ایک بیٹی ہے جو کہ شادی شدہ ہے۔

حضرت شیخ دین محمد نے راناواہن کہروڑ پکا کے ولی اللہ حضرت صوفی محمد یارؒ کے

Marfat.com

ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ عبادت گزار بزرگ تھے۔ میانوالی سے تعلق تھا۔ صوفی یار محمدؒ کے مرشد سیت پور ضلع مظفر گڑھ کے حضرت فضل الٰہی نے انہیں راناواہن میں اپنا خلیفہ بنایا تھا۔

صوفی محمد یارؒ شیخ صاحب سے بہت محبت کرتے تھے، ان کے اپنے بھتیجے جو کہ عالم دین تھے لیکن جب صوفی صاحب حج پر جانے لگے تو شیخ دین محمد کو عالم بھتیجے پر فوقیت دی انہیں اپنے ہمراہ لے گئے۔ اس طرح شیخ صاحب نے 1978ء میں حج کی سعادت حاصل کی شیخ صاحب کے مرشد کا انتقال 1990ء میں ہوا۔

شیخ دین محمد صاحب عمر پیری میں ہیں لیکن مضبوط و توانا جسم کے مالک ہیں۔ قد دراز ہے، چہرہ سرخ و سفید اور کتابی ہے۔ ناک ستواں اور آنکھیں قدرے چھوٹی ہیں لیکن نظر بہت تیز ہے۔ سر کے تقریباً تمام بال سفید ہیں۔ انکے چہرے پر سفید داڑھی سے نور کی کرنیں بکھرتی محسوس ہوتی ہیں۔ عموماً سفید لباس زیب تن کرتے ہیں۔ سر پر چینی بنی ہوئی ٹوپی پہنتے ہیں کبھی جناح کیپ پہنتے ہیں اور کبھی رومال بھی باندھ لیتے ہیں۔ عموماً قمیض اور تہمد پہنتے ہیں تاہم قمیض شلوار بھی پہنتے ہیں۔ یادداشت بہت اچھی ہے۔ پرانا پڑھا ہوا اب تک کام دے رہا ہے۔ ان کی آواز اونچی مگر اپنے اندر مٹھاس سمیٹے ہوئے ہے۔ قرآن پڑھتے ہیں تو بلند آواز سے۔ جس سے دل پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ وہ گفتگو کر رہے ہوں یا تقریر، ایک ایک لفظ واضح کر کے ادا کرتے ہیں لہٰذا ان کی ہر بات سمجھ آتی ہے اور دل میں اترتی محسوس ہوتی ہے۔ ان کی شخصیت جلال و جمال کا حسین امتزاج ہے، بظاہر رعب دار لیکن اندر سے نرم، غضبناک نہیں ہوتے۔ دینی معاملات پر سمجھوتہ نہیں کرتے۔ حق بات کہہ کر رہتے ہیں۔ بدعات سے خود بھی محترز ہیں۔ اپنی تقاریر میں ان سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔

شیخ صاحب فرید گیٹ کی مسجد میں 17 سال امام رہے اور 40 سال سے مسجد الفردوس کے خطیب ہیں۔ مولانا حافظ محمد احسن نے انہیں دور طالب علمی ہی میں یہاں کی خطابت کے لئے نامزد کیا تھا۔ شیخ صاحب آج کل محکمہ انہار کی مسجد میں عصر تا مغرب پڑھے لکھے افراد کو عربی کی تدریس کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ ڈاکٹر اسرار احمد کی تنظیم

Marfat.com

اسلامی کی قرآن فہمی کی تحریک پر شروع کیا گیا ہے۔

شیخ صاحب کے والدین یہاں سے چلے گئے ساڑھے چار مربع زمین چھوڑ گئے۔ مہاجرین آئے وہ ان میں بانٹ دی گئی کچھ بچی تو شیخ صاحب نے اس کے بارے میں بارہ سال کیس لڑا بہت سی شہادتوں اور ثبوتوں کے بعد بقیہ 22 بیگھے زمین انہیں الاٹ کر دی گئی پھر انہی کی زمین کا ایک اور ٹکڑا دریافت ہوا۔ کافی تگ و دو کے بعد وہ بھی مل گیا۔ اب ان کے پاس آدھا مربع زمین ہے جس کی کاشت وغیرہ کا بندوبست وہ خود کرتے ہیں۔

شیخ صاحب نے فوجی بستی شرقی کے ایک بیابان علاقہ میں پانچ ہزار روپے میں ایک پلاٹ خریدا۔ سٹھہ کرایا لیکن رجسٹری نہ کرائی۔ مالک ملک سے باہر چلا گیا۔ 25 سال میں اس علاقہ میں کافی آبادی ہو گئی۔ اب یہ فوجی بستی کہلانے لگی یہ دیکھ کر سابقہ مالک کی نیت بدل گئی اس نے کہا رجسٹری کیلئے پچاس ہزار روپے دو یا اپنے پیسے واپس لے لو۔ شیخ صاحب نے پچاس ہزار روپے ادا کئے اور اس طرح اس پر قابض ہو کر مکان بنوایا۔

ممتاز علماء مولانا معاذ مرحوم اور مولانا سعید احمد عتیقی شیخ صاحب کے جامعہ کے ہم سبق ہیں اس کے علاوہ ان کے مرشد کے بھتیجے مولانا غلام حسن ہم جماعت بھی رہے شاگرد بھی۔ اور مرشد کی وفات کے بعد ان کے جانشین کی حیثیت سے مرشد بھی ہیں۔

حضرت شیخ دین محمد با عمل عالم دین ہیں وہ خلاف سنت کام پسند نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ عوام میں عقیدت و احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ انکی کلائی پر ان کا سابقہ نام رام لعل کندہ ہے۔ وہ دور جاہلیت کی اس یادگار کو مٹانا چاہتے ہیں ایک بار تیزاب سے مٹانے کی کوشش کی۔ کلائی سوج گئی مگر نام نہ مٹا۔ انہوں نے ایک ڈاکٹر سے بات کی ہے جس نے بتایا کہ یہ ممکن ہے لیکن کافی ساری رگیں آڑے آئیں گی۔ بہر حال انہیں جب اور جیسے موقع ملا وہ اپنی اس دیرینہ خواہش کی تکمیل کریں گے۔

Marfat.com

حضرت ڈاکٹر عبدالرشید

اس عہد میں اگر یہ کہا جائے کہ کوئی ایم بی بی ایس ڈاکٹر دو روپے مشورہ فیس لیتا ہے تو یہ انتہائی ناقابل یقین بات ہو گی کیونکہ دو روپے تو تیسرے درجے کا عطائی بھی نہیں لیتا بلکہ سرکاری ہسپتالوں کی پرچی فیس بھی دو روپے نہیں پھر یہ کونسا دیوانہ ہے..........
جی ہاں یہ فعل کسی دیوانے کا ہی ہو سکتا ہے۔ یہ دیوانگی ہے انسانیت کی خدمت۔ جسے ایک مرد درویش ڈاکٹر عبدالرشید برسوں سے حقیقی معنوں میں سرانجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالرشید کے والد ڈاکٹر عبدالرحیم ولی اللہ تھے۔ جس کے سبب ڈاکٹر رشید صاحب نے اپنے گھر کے باہر لکھا ہوا ہے "آستانہ عالیہ ڈاکٹر شیخ عبدالرحیم"۔ ڈاکٹر عبدالرحیم کو تو ماڈل ٹاؤن بی میں واقع اس جگہ کو دیکھنا نصیب نہ ہوا ہو گا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر رشید فرماتے ہیں کہ "بزرگان خواہ دفن کہیں کیے جائیں ان کے لئے ایک جگہ بنا دی جاتی ہے جہاں سے فیض حاصل کیا جا سکتا ہے" گویا ڈاکٹر رشید کی رہائش گاہ وہ مقام ہے جہاں سے لوگ مختلف صورتوں میں فیض پاتے ہیں۔ کچھ اپنی بیماریوں کے علاج کے لئے نسخے لکھوا کر اور کچھ روحانیت کے سبب۔ غرباء کے لئے تو ڈاکٹر رشید گوہر نایاب ہیں کیوں کہ اتنے تجربہ کار ڈاکٹر کا مشورہ مفت برابر۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب ایک بار دو روپے لیتے ہیں اس مرض کے سلسلہ میں بعد میں جتنی بار بھی جایا جائے اس کی فیس بالکل نہیں ہو گی۔

Marfat.com

ذکر ہو رہا تھا ڈاکٹر عبدالرشید کے والد ڈاکٹر عبدالرحیمؒ کے مقام و مرتبے کا۔ ان کی کئی کرامات ظہور پذیر ہوئیں ایک دو واقعات پیش خدمت ہیں۔ ڈاکٹر عبدالرحیم کے مرشد کو گدی کے تنازعہ کے سبب عدالت میں گھسیٹ لیا گیا۔ جس روز فیصلہ ہونا تھا اس سے قبل ڈاکٹر عبدالرحیمؒ نے اپنے بیٹے عبدالرشید کو کہا کہ فلاں ڈاکیے کو بلا لاؤ۔ انہوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی۔ ڈاکیا آیا تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جج کے نام چٹھی آئے گی وہ صبح کو نہیں شام کو دینا۔ پھر فیصلہ والے دن عدالت میں سب جمع تھے جج بار بار فیصلہ لکھتا اور پھاڑ دیتا بالآخر وہ یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ حاضرین میں کوئی ولی اللہ ہے جس کے سبب میں فیصلہ لکھ نہیں پا رہا۔ حاضرین نے کہا ہم سب تو ان پڑھ ہیں البتہ ڈاکٹر عبدالرحیمؒ پڑھا لکھا ہے جج نے ان کا مؤقف سن کر ان کے مرشد کے حق میں فیصلہ لکھ دیا جو بخوبی لکھا گیا اور مخالف فریق کو تابر خواست عدالت سزا سنائی۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ ان کے علاقہ کا چیئرمین جو مسلسل 21 سال سے چلا آ رہا تھا بہت اثر و رسوخ کا مالک تھا اقتدار مستحکم تھا۔ لیکن لوگوں کو تنگ کرتا تھا۔ ایک بار ڈاکٹر عبدلرحیمؒ سے پانچ روپے (بطور جگا ٹیکس) منگوائے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ کہلوا بھیجا کہ اب تیری یہ جرأت ہو گئی ہے کہ تو مجھ سے بھی پیسے مانگنے لگا ہے اس واقعے کے چند روز بعد ہی ایسی صورت حال پیدا ہوئی چیئرمین اپنی کرسی سے ہاتھ دھو بیٹھا اور اس کا مخالف برسر اقتدار آ گیا۔ اسکی چیئرمینی سے علیحدگی ایک ناقابل یقین واقعہ تھی۔

ڈاکٹر عبدالرشید ہر دو خانپور ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ انہیں اپنا سن پیدائش یاد نہیں تاہم عمر 91 سال بتاتے ہیں ہماری دانست میں وہ اس ضمن میں بھول رہے ہیں وہ اس سے تجاوز کر چکے ہیں تاہم ایک ریڈیو انٹرویو میں اپنی تاریخ پیدائش 7 مارچ 1911ء بتائی تھی۔ وہ ہوشیار پور کے انٹرمیڈیٹ کالج میں پڑھے۔ پھر 1934ء میں ایل ایس ایم ایف کیا۔ 1955ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کیا۔ اس زمانے میں یہ قانون تھا کہ جس نے ایل ایس ایم ایف پاس کیا ہو اور ملٹری سروس بھی کی ہو اسے ایم بی بی ایس میں داخلہ مل جاتا تھا۔

Marfat.com

ڈاکٹر عبدالرشید نے جب ایل ایس ایم ایف کر لیا تو انکے والد نے انہیں اپنے مرشد علی احمد خانؒ صاحب کے پاس بھیجا۔ یہ سلسلۂ چشتیہ کے بزرگ تھے۔ ہوشیار پور میں ہی مقیم تھے تقسیم کے بعد پاکستان آ گئے ان کا مزار پاکپتن شریف میں بسی والے پیر کے نام سے ہے۔ 1934ء میں والد کے حکم پر ڈاکٹر عبدالرشید اپنے مرشد کے پاس کسی چٹھی کے حصول کی غرض سے گئے تاکہ ملازمت ہو سکے۔ انہوں نے کہا تمہیں کسی چٹھی کی ضرورت نہیں اسکے بغیر ہی تمہارا کام ہو جائے گا اللہ تمہیں بہاولپور مبارک کرے۔

ڈاکٹر صاحب عازم سفر ہوئے۔ جس دن ڈیرہ نواب صاحب کے سٹیشن پر گاڑی سے اترے اسی دن ان کی نوکری ہو گئی۔ ہوا یہ کہ وہ کرنل دیوان علی کے پاس گئے انہوں نے فوراً ہی کہا جا کر کام کرو۔ اطلاع آ جائے گی۔ تیسرے دن ان کی تقرری کی باقاعدہ اطلاع آ گئی کیونکہ نواب صاحب نے منظوری دے دی تھی۔ نواب صاحب کسی باہر سے آنے والے کو اتنی جلدی منظوری نہیں دیتے تھے لیکن بزرگوں کی دعا کے سبب ایسا ہوا۔ ڈاکٹر عبدالرشید کی ڈیوٹی صادق گڑھ پیلس میں لگ گئی۔ ڈاکٹر محمد دین ان کے سینئر تھے۔

ڈاکٹر رشید طویل عرصہ ڈیرہ نواب میں رہے۔ اس دوران انہوں نے ڈی پی ایچ بھی کیا۔ وہ لاہور بھی رہے۔ سندھ میر پور میرس میں ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں پھر 1966ء میں سندھ سے ہی ریٹائر ہوئے۔ بعد میں بہاولپور آ گئے تو اپنی پنشن یہیں منتقل کرا لی۔ 1966ء کی پنشن یقیناً اونٹ کے منہ میں زیرے کے مترادف ہو گی۔ جس سے گزر اوقات کا ہونا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ ڈاکٹر صاحب چھ مہینے سال بعد جا کر اپنی پنشن لے آتے ہیں۔ جب ان سے پنشن کی رقم کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتانے سے گریز کیا اور کہا "ٹھیک ہے جو ملتی ہے۔" ڈاکٹر صاحب نے ریٹائرمنٹ کے بعد بہاولپور میں ہی پریکٹس شروع کر دی۔

ایک اللہ والے حضرت میاں عبدالشکور نے ان سے کہا تھا کہ فیس دو روپے سے زیادہ نہ لیجئے۔ اور ڈاکٹر صاحب آج تک اسی عہد کو نبھا رہے ہیں اس ضمن میں وہ فرماتے ہیں کہ

Marfat.com

جب اللہ کے فضل سے گزارا ہو جاتا ہے تو زیادہ کی طمع کیوں ؟ ڈاکٹر صاحب کبھی حرص و ہوس کا شکار نہیں ہوئے دنیاوی لذات نے انہیں اپنی طرف نہیں کھینچا۔ وہ ہر لمحہ پروردگار عالم کے حضور شکر بجالاتے ہیں کہ اس نے اپنی نعمت میں کمی نہیں ہونے دی۔

جیسا کہ بالا سطور میں لکھ چکا ہوں کہ ڈاکٹر عبدالرشید صاحب نے اپنی طویل مدت ملازمت احمد پور شرقیہ (ڈیرہ نواب) میں گزاری۔ احمد پور شرقیہ کے بزرگ ڈاکٹر عبدالرشید کے مداح ہیں۔ ان کے مطابق ڈاکٹر عبدالرشید ایسے ڈاکٹر اب نہیں ملتے جن میں انسانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں شفا بھی دے رکھی تھی۔ وہ پچاس بستروں کے ہسپتال کے واحد ڈاکٹر تھے۔ جو ہمہ وقت مریضوں کی خدمت میں مگن رہتے تھے۔ مریض گنجائش سے زیادہ ہوئے تو ڈاکٹر صاحب نے اپنی جیب سے چقیں خرید کر برآمدے میں ڈلوادیں اور وہیں بستروں کا انتظام کر کے دو سو مریضوں کا ہسپتال بنادیا۔ احمد پور شرقیہ کے قدیم باشندوں کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نہ صرف فزیشن اعلیٰ درجے کے تھے بلکہ سرجن بھی بہترین تھے انہوں نے خاصے پیچیدہ آپریشن بھی کیے۔ ہسپتال میں زیادہ تر سرجری کے مریض زیر علاج رہتے تھے جن کا آپریشن ڈاکٹر صاحب خود کرتے۔ انہوں نے بعض ایسے مریضوں کے آپریشن بھی کامیابی کے ساتھ کیے۔ جن کو اسوقت کے بہاول وکٹوریہ ہسپتال کے ڈاکٹروں نے جواب دیدیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی انسان دوستی کا اس امر سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں ہسپتالوں سے ادویات مل جایا کرتی تھیں آجکل کی طرح بے ایمانی عام نہیں تھی۔ ہسپتال میں آنے ولے مریض چونکہ غریب زیادہ ہوتے تھے اسلئے ڈاکٹر صاحب انہیں مفت ادویات کی فراہمی کا بندوبست کرتے اور جب ہسپتال میں دوائیاں ختم ہو جاتیں تو مخیّر حضرات سے اپیل کر کے ادویات خرید کر مریضوں کو فراہم کرتے۔ ہسپتال میں ایک پیسے کا ہیر پھیر نہ خود کیا اور نہ ہونے دیا۔ صبر و قناعت اس وقت بھی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ مریض رات گئے بھی ہسپتال پہنچ جاتے تو اسی وقت علاج کرتے اپنے آرام کو تج دیتے۔ اور بعض صورتوں میں مریضوں کے گھر بھی چلے جاتے تھے۔ شہر کا واحد ڈاکٹر، جذبہ انسانی سے اس

Marfat.com

قدر سرشار۔ صحیح معنوں میں مسیحا اور انسانیت کی خدمت کرنے والا۔ بے غرض، لالچ و طمع سے پاک، صابر و شاکر۔

ڈاکٹر صاحب عمر پیری کے سبب نحیف و نزار ہیں دوسروں کو مسیحائی بخشنے والا یہ مسیحا کہتا ہے کہ بہت کم ہی بیمار ہوا ہوں۔ ایک بار دل کا دورہ پڑا تکلیف زیادہ ہوئی تو گھر پر ایمبولینس آگئی انہیں سی سی یو لے جایا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے پوچھا کہ میں نے تو ایمبولینس نہیں منگوائی تھی پھر کیسے آئی۔ ڈرائیور نے کہا "ہمیں یہ کہا گیا ہے کہ ڈاکٹر عبدالرشید بیمار ہے۔ گھر میں قرآن پڑھا جا رہا ہے جاؤ جا کر لے آؤ۔" ڈاکٹر صاحب نے سوال کیا کہ اطلاع دینے والا کون شخص تھا۔ بتایا گیا کہ ہم نہیں جانتے کیونکہ جب ایمبولینس باہر نکالی تو وہ شخص غائب تھا ڈاکٹر صاحب ایسے شخص کے لئے رجال الغیب کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب بتاتے ہیں کہ ان کی والدہ محترمہ خواب میں آئیں کہا بیٹا فکر نہ کرو سب ٹھیک ہے۔ اور پھر خدا کے فضل و کرم سے یہ لب دم مریض شفایابی سے ہمکنار ہوا۔

ڈاکٹر عبدالرشید صاحب ایک اور بار سخت بیمار ہوئے۔ ہسپتال میں ڈاکٹر لقمان کے زیر علاج رہے۔ دوائیں بدلی جاتی رہیں لیکن افاقہ نہیں ہو رہا تھا کہ ایک رات کو خواب میں ان کے والد ڈاکٹر عبدالرحیمؒ آئے اور دوا بتا کر کہا کہ یہ کھاؤ۔ ڈاکٹر رشید نے ڈاکٹر لقمان سے خواب کا ذکر کیا اور دوا کے بارے میں بتایا انہوں نے کہا کہ میں اس ضمن میں کسی اور ڈاکٹر سے مشورہ کر کے آپ کو بتاؤں گا۔ ڈاکٹر لقمان نے مشورہ کیا۔ مشورہ دینے والے ڈاکٹر نے کہا آپ نے آٹھ دن زور لگایا لیکن ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا۔ جو کچھ ان کے والد نے کہا ہے وہی استعمال کر کے دیکھ لیں۔ بالآخر ڈاکٹر لقمان نے وہی دوا لکھ دی۔ جس کے استعمال سے شفا ہوئی۔ ڈاکٹر رشید کے بقول عام طور پر ڈاکٹر ایسی باتیں نہیں مانتے اور دھیان نہیں دیتے لیکن اللہ نے ان کے دل میں ڈال دی۔ ڈاکٹر رشید صاحب ڈاکٹر لقمان کے مداح ہیں اس لئے کہ وہی ان کے کام آتے ہیں وہ ڈاکٹر سردار عالم مرحوم کے بارے میں بھی حسن ظن رکھتے ہیں وہ ڈاکٹر سردار کے جنازے میں بھی شریک ہوئے تھے۔

Marfat.com

ڈاکٹر عبدالرشید سلسلہ چشتیہ سے تعلق رکھتے ہیں. کئی اللہ والے ان کے پاس آتے ہیں یہ بھی ان بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ کبھی حضرت میاں عبدالشکور ان کے پاس تشریف لاتے ہیں اور کبھی یہ خود ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ جن پور کے ایک بزرگ حاجی صاحب بھی تشریف لائے اور دعا کر کے چلے گئے۔ علامہ احمد سعید کاظمیؒ کے فرزند مظہر سعید کاظمی صاحب ڈاکٹر صاحب کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں اس ضمن میں پیغام بھی بھیجتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب جب کبھی بیمار ہوتے ہیں تو نہ صرف بہاولپور بلکہ ملتان، فیصل آباد اور دیگر مقامات پر بھی ان کے لئے دعا ہوتی ہے۔ فیصل آباد کے دو بزرگ سائیں لسوڑی شاہ اور مجاہد الحسینی ڈاکٹر صاحب کیلئے خاص دعائیں کرتے ہیں۔ ایک اور بزرگ حاجی علی شیر سے ڈاکٹر صاحب کی رفاقت رہا کرتی تھی۔ اس ضمن میں وہ بتاتے ہیں کہ روس کا صدر بریزنیف اتنا بیمار ہوا کہ بستر مرگ پر جا پہنچا۔ یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ مر گیا ہے اسکی غیر یقینی حالت کو چھپایا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے حاجی علی شیر صاحب سے اس حوالے سے دریافت کیا انہوں نے کہا کہ دنیا کو ابھی بریزنیف کی ضرورت ہے۔ اس بات کے چند روز بعد ہی اسے پکڑ کر منظر عام پر لایا گیا پھر اس نے خاصہ عرصہ گزارا۔ ایک اور بار ڈاکٹر صاحب نے سعودی عرب کے حالات کے حوالے سے دریافت کیا تو انہوں نے حقیقی حالات کی نشاندہی کی۔ اسی طرح ایک اور بار حاجی صاحب نے روس اور سعودی عرب کے درمیانی خطہ کے حوالے سے اظہار خیال کیا۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ حاجی صاحب کی کہی ہوئی باتیں بعد میں درست ثابت ہوتیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حاجی صاحب کا تصرف روس سے سعودی عرب تک کے خطے پر تھا۔ حاجی علی شیر بھی عزت میں آسودۂ خاک ہیں۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو اپنے مرنے کے بعد کے حالات تک بتا دیئے تھے اور یہ بھی بتایا تھا کہ ان کی قبر میں اس قسم کا شگاف ہوگا۔ جو کہ واقعی ایسا ہی ہوا۔ ان تمام باتوں کا علی شیر صاحب کے بیٹے کو بھی علم نہیں تھا۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب سے ویسے ہی مشورہ مانگا۔ ڈاکٹر صاحب نے تدفین کے تمام انتظامات حاجی صاحب کے فرمان کے مطابق کیئے۔ جس پر انکا بیٹا حیرت زدہ ہوا۔

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ میں نے اپنا فرض پورا کیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالرشید تمام نمازیں گھر پر ہی پڑھتے ہیں جمعۃ المبارک کی نماز قریب واقع سیرانی مسجد میں ادا کرتے ہیں وہ مولانا فیض احمد اویسی کے قدردان ہیں۔ انہیں سچا عاشق رسولؐ قرار دیتے ہیں اس ضمن میں بتاتے ہیں کہ مولانا اویسی ہر سال حج یا عمرہ کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور در رسول ﷺ پر حاضری دیتے ہیں۔ ایک بار انہیں ویزہ نہ ملا۔ انہوں نے مسجد میں اعلان کیا کہ آپ لوگ میرے ویزے کے لئے دعا کریں۔ لوگوں نے دعا کی جس کا نتیجہ یہ نکلا انہوں نے اگلا جمعہ مدینہ منورہ میں جاکر پڑھا۔

ڈاکٹر صاحب کا تعلق چونکہ اہل تصوف سے ہے اسلئے وہ کسی کو بھی ناپسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ ہر فرقے کے لوگوں کا احترام کرتے ہیں۔ قاضی عظیم الدینؒ دیوبندی مسلک سے تعلق رکھتے تھے لیکن ڈاکٹر صاحب اور قاضی صاحب دونوں کی آپس میں نیاز مندی تھی اسی طرح غلام محی الدین شاہ بھی ڈاکٹر صاحب کے پاس تشریف لاتے اور وہ بھی جاتے۔ قاضی رشید صاحب سے بھی ڈاکٹر صاحب کا ربط و ضبط ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ فرقے کئی ہیں۔ آدمی تو کسی نا کسی طرف جائیگا۔ میرے لئے سب برابر اور محترم ہیں۔ سب میرے لئے دعا کرتے ہیں اور یہ خدا کا فضل ہے کہ ڈاکٹر صاحب سب میں محترم ہیں۔ ڈاکٹر صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے مختلف فرقوں کے لوگوں سے مراسم ہیں لیکن انہوں نے خود کسی کو جھگڑتے نہیں دیکھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ڈاکٹر صاحب کی امن پسندی، غیر متعصبانہ اور نہایت ہی مثبت سوچ ہے۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ڈاکٹر صاحب خود کسی کی برائی نہیں کرتے اور واقعی ان سے گفتگو کی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ غیبت کو اپنے دروازے پر پھٹکنے نہیں دیتے۔

ڈاکٹر صاحب کے کلینک پر نمایاں طور پر یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ "رزق حلال کھاؤ......... سائیں بابا"۔ یہ سب کو نظر آتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب خود تو اس ماٹو پر سختی سے کاربند ہیں۔ میرے خیال میں یہ نصیحت آمیز جملہ کلینک پر آنے والے ہر شخص کے لئے ہے

Marfat.com

شاید کوئی اس آستانے پر درج اس عبارت کو پڑھ کر راہ راست پر آجائے۔ ڈاکٹر صاحب اس عبارت کا پس منظر کچھ اس طرح بتاتے ہیں کہ ان کے والد رزق حلال پر اتنا زور دیتے تھے کہ ان کے دستر خوان پر اس شخص کو کھانے کی اجازت تھی جو حلال رزق کماتا اور کھاتا تھا۔ وہ کسی کے گھر کھانا نہیں بھیجتے تھے بلکہ رزق حلال کھانے والے کو اپنے گھر پر ہی کھلاتے تھے۔ اپنے والد کے نصب العین کو ڈاکٹر صاحب نے اپنے طور پر اپنایا۔

مخشن خان میر عبدالخالق کے مزار کے گدی نشین حضرت صالح محمد نے ڈاکٹر صاحب کو سائیں بابا کا لقب دیا وہ ہمیشہ ڈاکٹر صاحب کو اسی لقب سے پکارتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس اعزاز کو اپنے سینہ سے لگالیا۔

ڈاکٹر صاحب کے پاس ہر قسم کے لوگ آتے ہیں جسمانی اور روحانی دونوں قسم کے علاج کرانے۔ جو ادویات کے طالب ہوتے ہیں انہیں نسخے لکھ دیتے ہیں اور جو اپنی روحانی تشنگی دور کرنا چاہتے ہیں وہ انہیں اپنی صحبت سے سیراب کرتے ہیں۔ جو لوگ مالی امداد چاہتے ہیں اس درویش کے پاس جو ہوتا ہے دے دیتے ہیں۔ دعا وہ سب کے لئے ہی کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے کئی اولیاء اللہ سے فیض پایا ہے۔ ان کے والد خود ولی تھے لیکن وہ کسی کو مرید نہیں کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب بھی والد کے راستہ پر گامزن ہیں اہلیت کے باوجود کسی کو اپنا مرید نہیں کرتے۔ وہ بس اللہ کے عاجز بندے ہیں سب کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہر ایک پر محبت و شفقت کے زروجواہر لٹادیتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب فکر کی زنجیروں سے آزاد ہیں اس ضمن میں وہ فرماتے ہیں "رب جب مجھے ایسے ہی دے دیتا ہے تو پھر فکر کس بات کا کروں۔ فکر معاش کا ہوتا ہے یا اس بات کا کہ کوئی نقصان نہ پہنچائے میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے دشمن پیدا ہو لہٰذا اس فکر سے بھی آزاد ہوں۔ یہ اللہ کا فضل و کرم ہے۔" اسی باعث ڈاکٹر صاحب کی تمام زندگی مطمئن و مسرور رہی ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب کے پاس مریضوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ نہیں لگے رہتے جس سے مناسب آمدنی ہوتی ہو۔ایک دنیادار یہ سوچتا ہے کہ دو روپے فیس لینے والے کے پاس مریض بھی گنتی کے آتے ہوں تو گزارا کیسے ہوتا ہوگا۔ لیکن اللہ والوں کو اس بات کی فکر نہیں ہوتی اسی لئے جب میں نے یہ پوچھا کہ دن بھر کتنے مریض آتے ہوں گے تو انہوں نے کھل کر جواب دینا مناسب نہ سمجھا اور کہا "کوئی پتہ نہیں"۔

ڈاکٹر صاحب کے بارے میں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ تصوف کے کسی درجہ پر فائز ہیں۔ باطنی نظام سے کوئی تعلق ضرور ہے۔ایک صحیح العقیدہ بزرگ امان اللہ مگسی کہتے ہیں۔ آپ جب بھی ان کے پاس جائیں تو سنبھل کر جائیں۔ ڈاکٹر صاحب کی حقیقت ان پر اس وقت منکشف ہوئی جب وہ احمد پور سے تعلق رکھنے والے ایک مولوی صاحب کو ڈاکٹر صاحب کے پاس لے گئے۔ تعارف کرانے کے بعد کہا کہ ان پر توجہ فرمایئے۔ڈاکٹر صاحب ان کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ مولوی صاحب اپنی نشست سے اچھلنے لگے۔ چار پانچ بار ایسا ہوا۔ڈاکٹر صاحب نے شفقت سے ہاتھ رکھا تو قرار آیا۔امان اللہ صاحب یہ منظر دیکھ کر لرز سے گئے۔ انہیں پہلی بار پتہ چلا کہ وہ جس بزرگ کے پاس عمومی انداز سے آتے اور گفتگو کرتے ہیں وہ ولایت کے کس درجے پر فائز ہیں۔اور یہ واقعہ بھی امان اللہ صاحب کے ساتھ پیش آیا کہ ایک شب انکی بیٹی کے سر میں شدید درد ہوا تو ان کی اہلیہ نے کہا کہ ڈاکٹر عبدالرشید نیک آدمی ہیں ان سے صلوٰۃ رکھوادیں۔وہ کہنے لگے کہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک ڈاکٹر سے صلوٰۃ رکھوانے جارہے ہیں۔ بہر حال ڈاکٹر صاحب کے پاس پہنچے۔ خواتین رکشے میں تھیں۔ڈاکٹر صاحب سے صلوٰۃ کی گزارش کی گئی انہوں نے توجہ کی تو کھڑا رکشہ ڈولنے لگا۔امان اللہ یہ منظر دیکھ کر کانپ گئے۔ڈاکٹر صاحب نے کہا ٹھیک ہے چلے جائیں آرام آجائے گا۔اور واقعی ایسا ہوا۔

ڈاکٹر صاحب کے ایک بھائی جو کہ ان سے نو سال چھوٹے ہیں۔ ان کے ہمراہ رہتے ہیں۔ان کی صحت ماشاء اللہ بہتر ہے محکمہ ٹیلی فون کے ریٹائرڈ افسر ہیں۔ ڈاکٹر صاحب

Marfat.com

کے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔بیٹی لاہور میں مقیم ہیں ان کے شوہر بریگیڈیر ہیں۔ایک بیٹا آرکیٹیکٹ ہے۔ جبکہ دوسرا بیٹا حالت جذب وکیف میں ڈاکٹر صاحب کے پاس ہی ایک تخت پر بیٹھا رہتا ہے۔یہ مجذوب التحیات کی شکل میں بیٹھتا ہے۔ گھنٹوں بیٹھا رہتا ہے یا پھر وہیں لیٹ جاتا ہے کبھی کسی سے بات نہیں کرتا۔ کھانا ڈاکٹر صاحب کے بھائی آگے رکھ دیتے ہیں تو کھا لیتا ہے اگر ڈاکٹر صاحب یا کوئی اور دے تو نہیں کھاتا۔یہ نوجوان جو ظاہری وضع قطع کے لحاظ سے کوئی جوگی لگتا ہے۔ ایف ایس سی کرنے کے بعد اسکی صحبت ایک بزرگ سید حنیف شاہ کے ساتھ ہو گئی جو کہ ہر روز دو سے چار گھنٹے جاری رہتی اسکے بعد وہ خود راہ سلوک کی منزلیں طے کرتا گیا تقریباً سولہ سال سے حالت جذب میں ہے۔ کبھی کبھار گھر کے اندر چلا جاتا ہے۔باہر نہیں جاتا۔ نظریں جھکی ہوتی ہیں خارجی ماحول اسکی اندرونی دینا میں خلل پیدا نہیں کرتا۔ڈاکٹر صاحب نے بتلایا کہ کچھ عرصہ قبل اس خاموش مجذوب نے یہ فرمائش کی کہ مجھے داتا دربار لے جایا جائے اس سے وعدہ تو کرلیا ہے لیکن اس بات کا ڈر ہے کہ وہاں جانے کے بعد یہ وہیں نہ بیٹھ جائے اور پھر آنے سے انکار کر دے۔

ڈاکٹر عبدالرشید خود ایک تخت پر فروکش رہتے ہیں اسی پر آرام فرماتے ہیں اسی پر بیٹھ کر مریضوں کو دیکھتے اور دیگر افراد سے محو کلام ہوتے ہیں وہیں نماز پڑھ لیتے ہیں۔ان کی ساری کائنات سمٹ کر اسی تخت تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اور اللہ والوں کی یہی شان ہوتی ہے۔

Marfat.com

حضرت پیر جی قاری سید عبد القدیر

ہر شہر، ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں ایسے لوگ ملیں گے جو مجسمہ خیر اور شر سے معرکہ آراء ہوتے ہیں۔ انہی کے دم سے دنیا قائم ہے۔ جب تک یہ لوگ رہیں گے دنیا قائم رہے گی اور جب یہ ناپید ہو جائیں گے دنیا اپنے انجام کو پہنچے گی۔ ایسے ہی لوگوں میں احمد پور شرقیہ کے ایک بزرگ پیر جی قاری سید عبد القدیر ہیں۔ جو اپنے زہد و تقویٰ کے سبب شہر بھر میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ وہ جدھر جائیں گے لوگ عقیدت کے پھول نچھاور کرتے نظر آئیں گے۔

اس خوش اطوار، خوش خصال اور خوش گفتار بزرگ کا قد میانہ، چہرہ نورانی، اس پر پھولوں کی لطافت، کھلتی ہوئی رنگت، چشمہ سے جھانکتی ہوئی کرنجی آنکھیں، ستواں ناک، ذہانت سے معمور فراخ پیشانی، پتلے پتلے ہونٹ، موتیوں جیسے دانت، خوبصورت ترشی ہوئی سفید ریش، سر پر سفید رومال جسکے دونوں جانب سے کونے چہرے پر جھکے ہوئے، سفید براق لباس، پاؤں میں دیسی کھسہ، قدم اٹھتے ہوئے یعنی تیز لیکن ان میں عجلت نہیں وقار و متانت کا عنصر غالب۔

احمد پور شرقیہ قاری سید عبد القدیر صاحب کا وطن ثانی ہے۔ آپ اپنی ننھیال محلہ مخدوم زادگان کرنال میں پیدا ہوئے صحیح سن پیدائش والد کی اس ڈائری میں درج تھا جس میں

Marfat.com

خاندان بھر کے نو مولود بچوں کی پیدائش کے تاریخ و سن کا ریکارڈ تھا۔ یہ ڈائری اور مال اسباب کے ساتھ تقسیم کے ہنگاموں کی نذر ہو گئی، تاہم تقسیم کے وقت آپ نابالغ تھے یعنی عمر دس گیارہ سال ہو گی۔

ذرا بڑے ہوئے تو بغدادی قاعدہ والدہ صاحبہ سے پڑھا۔ قرآن حکیم کے پہلے پندرہ پارے اپنے والد ماجد اور اپنے عہد کے جید قاری سید فتح الرحمٰن سے مدرسہ عربیہ اساس العلوم باڑے وال لدھیانہ میں پڑھے۔ پھر اپنے دادا حضرت پیر جی قاری سید عبدالرحمٰن کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے۔ ان کے مدرسہ جامعہ رحمانیہ تحصیل کھرڑ میں حفظ قرآن کے اعزاز سے سرفراز ہوئے۔ حفظ کے بعد قرآن پاک کو نوافل میں سنایا۔ پھر تقسیم کے ہنگامے شروع ہو گئے انہیں اور ان کے خاندان کو آگ اور خون کے ہولناک سمندر کو عبور کر کے پاکستان آنا پڑا۔ ان کی ہجرت کی داستان کسی ڈراؤنے خواب کی مانند ہے جسے سن کر انسان کے جسم میں خوف کی لہر دوڑنے لگتی ہے۔

قاری عبدالقدیر صاحب کا خاندان نئی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد تین چار ماہ لاہور میں مقیم رہا بہاولپور ریاست کے وزیر کرنل سعید ہاشمی اور ان کے بھائی سید جمیل الدین انسپکٹر مدارس عربیہ قاری عبدالقدیر صاحب کے دادا کے شاگرد تھے۔ انہوں نے درویشوں کے اس لٹے پٹے قافلے سے بہاولپور آنے کا تقاضا شروع کر دیا۔ جس کے تحت 1948ء کے شروع میں یہ سب بہاولپور ریاست میں آ گئے۔ قاری صاحب نے اپنے تعلیمی سلسلہ کا آغاز کیا اور جامعہ عباسیہ میں داخلہ لے لیا۔ لیکن چند ماہ بعد خاندان کی احمد پور منتقلی کے سبب رفیق العلماء (موجودہ فاضل ہائی سکول) میں عربی کی پہلی جماعت میں داخلہ لے لیا۔ شرح جامی تک تحصیل کے بعد آپ بیمار ہو گئے جس کے سبب تعلیم کا سلسلہ کچھ منقطع ہوا۔ پھر آپ نے 1956ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ادیب عالم کا امتحان پاس کیا۔

دیگر مہاجروں کی طرح قاری صاحب کے خاندان کے معاشی حالات بھی دگرگوں تھے جن کی وجہ سے مزید تعلیم کا حصول بہت مشکل تھا لہٰذا ملازمت کرنے کو ترجیح

Marfat.com

دی۔ پہلے نجی مدرسوں اور سکولوں میں ملازمت اختیار کی پھر 1957ء میں سرکاری ملازمت میں آگئے پہلی تقرری رفیق العلماء ترنڈہ مولویان ضلع رحیم یار خاں میں ہوئی پھر مختلف اوقات میں خانقاہ، اوچشریف، گھمانی اور احمد پور شرقیہ میں تعینات رہے۔ 1995ء میں ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے وقت آپ کا نواں سکیل تھا۔

قاری صاحب بوجوہ بڑی بڑی ڈگریاں تو نہ لے سکے، اسکی کمی اُنہوں نے اس طرح پوری کی کہ عربی ادب اور دینی کتب کا مطالعہ شروع کر دیا۔ عصری جید علماء، فقہا اور ادباء کی کتب ذہن میں اتار لیں، مولانا ابوالکلام آزاد، چودھری افضل حق، مولانا اشرف علی تھانوی اور دیگر مشاہیر کی کتب سے فیضیاب ہوتے رہے۔ قرآن مجید کی تفاسیر، کتب احادیث نے بھی انکے ذہن اور ذوق کو جِلا بخشی۔

قاری صاحب نے اپنے عہد کے جید علماء فقہا اور اولیاء اللہ مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا حبیب اللہ گھمانوی اور مولانا محمد عبداللہ سے بھی مسلسل صحبت فیض حاصل کیا۔

قاری عبدالقدیر صاحب علمی اور روحانی اعتبار سے اپنے والد سے بیعت ہیں جبکہ معروف معنوں میں حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ سے۔ ان سے آپ کو اتنا قرب حاصل ہوا کہ وہ آپ کے پاس تشریف لاتے۔ ایک بار مولانا درخواستیؒ آپ کے پاس تشریف لائے ہوئے تھے انہوں نے اپنی خاص الخاص چادر جسے وہ اوڑھے ہوئے تھے اتار کر آپ کے سر پر بندھوائی۔ اس طرح دینی کام کے سلسلہ میں اپنا نائب بنایا۔ قاری صاحب کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ حضرت درخواستی نے اپنی عمر کے آخری حصے میں حرم نبوی ﷺ میں بیٹھ کر اپنے قریبی ساتھیوں کی فہرست مرتب کی جس میں قاری عبدالقدیر صاحب کا نام بھی شامل ہے۔ درخواستی صاحب کی اس تحریر کا عکس ان کے فرزند ارجمند مولانا خلیل الرحمٰن درخواستی نے اپنی تصنیف "تذکرہ حافظ الحدیث" میں شائع کیا ہے۔

قاری عبدالقدیر صاحب نے خواب میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو دیکھا تھا

Marfat.com

کہ جنہوں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت کرائی۔ قاری صاحب نے اپنے خواب کا ذکر علماء سے کیا جنھوں نے بتایا کی خواب کی بیعت بھی بیعت ہی ہوتی ہے۔ اس طرح وہ بالواسطہ اور روحانی طور پر حضرت مدنیؒ سے بھی بیعت ہیں۔

قاری صاحب ہجرت کے وقت نابالغ تھے۔ بلوغت کی عمر کو پہنچنے کے بعد انہوں نے پہلا مصلیٰ احمد پور شرقیہ کی جامع مسجد میں سنایا۔ پھر ایسے رواں ہوئے کہ ہر رمضان میں تین تین مصلےٰ سناتے۔ یہ سلسلہ طویل عرصہ تک چلتا رہا۔ اور گلے کے عذر کے سبب منقطع ہوا۔

قاری صاحب نے اوائل عمری سے ہی مضمون نویسی کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے نقاد، خدام الدین، ترجمان اسلام، چٹان اور دیگر کئی رسالوں میں قلمی ناموں سے علمی، ادبی، سیاسی و مذہبی مضامین لکھے۔ انہوں نے بعض اکابرین پر بھی مضامین لکھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جس بزرگ کے بارے میں لکھتے وہ انہیں خواب میں اپنی زیارت کراتے۔

قاری صاحب عاشق رسول ﷺ ہیں اس امر کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے تمام زندگی ختم نبوت کے لئے دیوانہ وار کام کیا۔ فتنۂ قادیانیت کے توڑ کے لئے اپنی صلاحیتوں کو وقف کر دیا۔ ایک وقت تھا کہ جب قادیانیوں کے خلاف اخبارات میں ایک سطر بھی نہیں چھپتی تھی۔ اور قادیانیوں کو مسلمان سمجھا جاتا تھا۔ انہوں نے لوگوں کے ذہنوں کو خاتم الانبیاءؐ کی حقانیت سے نہ صرف آگاہ کیا بلکہ تیار کیا۔ انہوں نے اپنے اس کام کے لئے کبھی بھی سرکاری ملازمت کو سدراہ نہیں سمجھا کیونکہ خاتم المرسلین ﷺ کی محبت سب سے افضل ہے۔ جسے یہ مل جائے اسے کسی اور چیز کی پرواہ نہیں ہوتی۔

قاری صاحب اس وقت احمد پور شرقیہ کے مذہبی و سیاسی اکابرین میں سے ہیں۔ وہ جمعیت العلماء اسلام احمد پور شرقیہ کے سرپرست اعلیٰ ہیں۔

قاری صاحب کی روحانی حیثیت مسلمہ ہے۔ عوام الناس میں وہ اسی حیثیت میں ممتاز ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ روایتی سجادہ نشینوں کی طرح ہیں جن کے آگے خدام

Marfat.com

دست بستہ کھڑے رہتے ہیں جو مریدوں سے خدمت کرانا اور نذرانے وصول کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ بلکہ یہ مرد درویش آپ اور ہماری طرح اپنے کام خود انجام دیتے ہیں۔ ان کے محب اور معتقد ضرور ہیں لیکن روایتی انداز کے مرید نہیں۔

قاری صاحب نے خود کو فی سبیل اللہ رفاہی کاموں کے لئے وقف کیا ہوا ہے ان کی زندگی اتنی مصروف ہے کہ آرام کا وقت بہت کم ملتا ہے۔ کبھی وہ مسجد کی تعمیر کے کاموں میں سرگرداں نظر آئیں گے اور کبھی کسی مستحق کے لئے مستعد دکھائی دیں گے۔ کبھی محلہ کے مسائل حل کرنے کے سلسلہ میں مصروف ہوں گے کبھی اپنی نگرانی میں چلنے والے بچوں یا بچیوں کے سکولوں کے مسائل کے حل کے لئے کوشاں ہوں گے۔ انہیں دینی کام بھی سر انجام دینے ہوتے ہیں، گھریلو ذمہ داریاں بھی نبھانی ہوتی ہیں۔ دور دراز سے آئے ہوئے لوگوں کی الجھنوں کو بھی حل کرنا ہوتا ہے۔ اس سب کچھ کیلئے چوبیس گھنٹے کا دورانیہ بہت کم ہے۔ وہ اپنے آرام کو مسائل زدہ افراد کے لئے تج دیتے ہیں۔ نتیجے کو طور پر ان کی صحت بہت متاثر ہوئی ہے وہ کئی عوارض کا شکار ہیں۔ بعض اوقات تو بستر سے لگ جاتے ہیں۔ انکار کا ان میں چونکہ یارا نہیں اسلیئے اس عالم میں بھی کسی نہ کسی کا روحانی علاج کرتے ہیں۔

اگر آپ قاری صاحب کے شب و روز کا بچشم خود جائزہ لیں تو یقیناً ان پر ترس آئے گا۔ ڈاکٹر وکیل یا کسی دوسرے پیشہ سے متعلق افراد تمام دن کام کرتے ہیں تو انہیں اسکا معاوضہ ملتا ہے۔ وہ اپنی بے آرامی کے عوض نوٹ وصول کرتے ہیں اور دنیاوی لذات سے آشنا ہوتے ہیں۔ لیکن قاری صاحب اور ان جیسے دیوانے مخلوق خدا کے لئے خود کو وقف کر کے دنیاوی آسائشیں تو نہیں پاتے۔ ان کو بیشتر اوقات تنگی و ترشی کا سامنا کرنا پڑتا ہے البتہ وہ نیک عمل کے سبب توشہ آخرت بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ اسی میں ان کا آرام و سکون ہوتا ہے۔

قاری صاحب کے پاس عصر سے مغرب اور پھر بعد نماز عشاء تا رات ڈیڑھ بجے تک لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ اس مجمع میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ امیر بھی ہوتے ہیں

Marfat.com

غریب بھی، افسر بھی ہوتے ہیں اور مزدور بھی۔ مرد بھی ہوتے ہیں خواتین بھی۔ وہ ہر ایک کا باری باری مسئلہ سنتے ہیں بیماروں کو یا تو خود یونانی ادویات لکھ دیتے ہیں یا متعلقہ ماہر ڈاکٹر یا ہسپتال کا حوالہ دے کر علاج کرانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ ساتھ ہی روحانی تشفی کے لئے پانی پر قرآنی آیات کا دم کر دیتے ہیں یا پھر قرآنی تعویز عطا کرتے ہیں۔

قاری صاحب کے پاس آنے والے لوگوں میں نفسیاتی الجھنوں کا شکار اور معاشرتی ستم رسیدہ افراد بھی شامل ہوتے ہیں۔ قاری صاحب گرمیوں میں باہر تخت پر اور سردیوں میں کمرے کے فرش پر بیٹھ کر سامنے بیٹھے ہوئے شخص کی رام کہانی پوری یکسوئی سے سنتے ہیں اسکا دکھ بٹاتے ہیں اسکا روحانی علاج کرتے ہیں۔ نماز کی پابندی، مسواک کی سنت کو زندہ رکھنے اور کچھ وظائف کی ہدایت کرتے ہیں۔ بعض اوقات ایک مریض پر ایک ایک گھنٹہ صرف کرتے ہیں۔ سب بلا معاوضہ اور فی سبیل اللہ کرتے ہیں۔

آپ اور میں تو ایسا کر کے دیکھیں۔ جلد ہی اکتا جائیں گے۔ بھلا ہمیں کیا پڑی دوسروں کی کتھائیں سننے کی۔ ہر شخص اپنے مسائل خود حل کرے۔

کئی بار یہ بات ذہن میں آئی کہ قاری صاحب تمام دن پڑھ پڑھ کر لوگوں کو دم کرتے ہیں اکتاتے نہیں؟ ان کے مزاج میں چڑ چڑا پن نہیں، وہ آنے والوں کو دھتکارتے نہیں۔ وہ پیشہ ور معالجوں کی طرح بد مزاجی سے پیش نہیں آتے۔ بلکہ صبر، تحمل اور دھیمے پن کو اختیار کئے رکھتے ہیں اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان کی نیکی برباد جائے۔

قاری صاحب سے ملنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان سے وقت لیا جائے۔ اس عمل سے دونوں سہل رہتے ہیں کسی کو بھی تکلیف نہیں پہنچتی۔ ہاں وقت کی پابندی ضروری ہے۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو وقت لے کر بھی پابندی نہیں کرتے جس سے قاری صاحب کو یقیناً ذہنی کوفت پہنچتی ہوگی لیکن یہ ان کا حسن ظن ہے کہ وہ اسے کوئی مجبوری خیال کر لیتے ہیں۔

جیسا کہ بالا سطور میں لکھ چکا ہوں کہ قاری صاحب روحانی علاج کے ساتھ دنیاوی

Marfat.com

تدبیر کا بھی مشورہ دیتے ہیں۔ کسی کو ڈاکٹر سے رجوع کرنے مشورہ دیتے ہیں کسی کو وکیل، عدالت یا متعلقہ اوارے سے۔ میرے ایک جاننے والے کا بھائی قرآن کریم کا پختہ حافظ ہے لیکن ہیروئن کا عادی ہے۔ ان صاحب نے اپنے بھائی کو اس لعنت سے چھٹکارا دلانے کے لئے ہزاروں جتن کیے۔ لیکن بے سود۔ کئی بار علاج کرایا۔ پولیس پکڑ کر لے گئی تو نجات دلائی۔ گھر کا اعلیٰ ماحول اور سہولتیں فراہم کیں لیکن وہ بندہ خدا گھر کی ہر چیز کو نشہ کے سپرد کرنے پر تلا ہوا ہے۔ میرے واقف کار نے اپنے بھائی کے ہر طرح کے علاج کرائے پیروں فقیروں، یہاں تک کہ جادو ٹونوں کا بھی سہارا لیا کہ کسی طرح بھائی صحیح ہو جائے۔ لاکھوں روپیہ برباد ہونے کے باوجود نتیجہ صفر بلکہ الٹ۔ بھائی گھر والوں کے لئے آزار۔ پہلے چیزوں کے پیچھے اب جائداد کے درپے۔ اس نے دوسروں کے اشاروں پر ناچتے ہوئے وزیر اعظم سمیت تمام اعلیٰ حکام کو اپنے بڑے بھائی کے خلاف درخواست دی کہ وہ اسے قتل کرنا چاہتا ہے۔ درخواست پر کارروائی شروع ہوئی تو شریف بھائی اس نئی آفت پر پریشان۔ اسے قاری صاحب کا پتہ چلا مصیبت کا مارا تھا اس خیال سے کہ شاید اس دروازے سے مراد پالے۔ میرے ہمراہ، قاری صاحب کے ہاں آیا۔ قاری صاحب نے ساری داستان سن کر کچھ وظائف بتائے لیکن اسکے ساتھ ہی انسداد شر کے لئے تمام قانونی اقدامات اٹھانے کا مشورہ بھی اصرار کے ساتھ دیا۔ معلوم نہیں میرے تعلیم یافتہ واقف کار قاری صاحب کے ایسے مشورہ سے مطمئن ہوئے یا نہیں، کیونکہ مسائل زدہ شخص خواہ کتنا ہی پڑھا لکھا ہو وہ بہت سی توقعات وابستہ کر لیتا ہے وہ اپنے مسئلے کو "چھو منتر" سے ختم ہونے کی آرزو دل میں لئے ہوتا ہے۔ صبر اور انتظار کا اس میں حوصلہ نہیں ہوتا۔ لیکن قاری صاحب چھو منتر والے بزرگ نہیں۔ ان کا ایمان اس بات پر ہے کہ ہر جائز حیلے سے کوشش کی جائے اور پھر معاملے کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔

قاری صاحب کے [illegible] ایسے آنے والوں کی بھی کمی نہیں جو ہوائی اثر اور سحر کا شکار ہوتے ہیں۔ ان میں اعلیٰ [illegible] طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد بھی ہوتے ہیں۔ بیشتر

Marfat.com

لوگ قاری صاحب کے روحانی علاج سے شفایاب ہوتے ہیں۔

قاری صاحب ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔ بیماروں کی عیادت کرنے جاتے ہیں۔ کسی کے ہاں شادی ہو تو لوگوں کی خواہش ہوتی ہے کہ قاری صاحب برکت کے لئے نکاح پڑھائیں۔ اسی طرح مرگ کے موقع پر بھی لوگ قاری صاحب سے نماز جنازہ پڑھوانے کی آرزو رکھتے ہیں۔

ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہونے والے قاری عبدالقدیر صاحب کو بھی بڑی کڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے لیکن مجال ہے کہ اپنی پریشانیوں کا ذکر کرتے پھریں اور ملاقاتوں کے دوران چہرے پر فکر یا بیزاری کے آثار ہویدا ہوں۔ وہ دوسروں کے دکھوں پر مرہم رکھتے ہیں لیکن اپنے زخموں کا علاج بھی صبر و شکر کے پھائے رکھ کر خود کرنا پڑتا ہے۔ یہ قانون قدرت ہے کہ دوسروں کو مسیحائی بخشنے والا خود شفا کا طالب ہوتا ہے۔ اسے کڑے دکھ جھیلنے پڑتے ہیں۔ ایسا اسلیئے ہوتا ہے کہ یہ احساس رہے کہ حقیقی شفا دینے والا تو رب کائنات ہے۔ ہم سب اسکے محتاج ہیں۔ اور جو لوگ راہ سلوک میں ہوتے ہیں ان کی مشکلات بھی اسی قدر ہوتی ہیں۔ یہ لوگ تو 'سی' بھی نہیں کر سکتے کہ کہیں ریاضت خاک میں نہ مل جائے۔

قاری صاحب غیبت اور نفرت انگیز باتوں سے گریز کرتے ہیں۔ اگر ان کے سامنے ایسی باتیں کی جائیں تو وہ چٹخارے نہیں لیتے بلکہ بہ احسن ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بس ان کے سامنے لوگوں کے محاسن بیان کیئے جاتے رہنے چاہئیں۔ وہ کسی کی تعریف پر ناک بھوں نہیں چڑھاتے بلکہ اگر ان کے علم میں کسی کی خوبی ہو تو وہ فراخدلی سے بیان کرتے ہیں۔ وہ لوگوں سے سوئے ظن نہیں رکھتے بلکہ حسن ظن کے عصا سے آس پاس منڈلانے والی غیبت کو دھتکار دیتے ہیں۔

قاری صاحب احسان کر کے بھولنے کے فن میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ وہ بڑی سے بڑی محسن کشی پر بھی ماتھے پر بل نہیں ڈالتے۔ بلکہ درگزر سے کام لیتے ہیں۔ احمد پور کے ایک

Marfat.com

خاندان کی تین نسلیں ان کی شاگرد رہیں لیکن ان احسان فراموشوں نے اولاد کی محبت اور بعض بدگمانیوں کے سبب قاری صاحب پر مقدمات قائم کرائے اور خاصا عرصہ پریشان رکھا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے سب بچے قرآن چھوڑ گئے اور بھول گئے۔ لڑکے بے نمازی اور بے راہرو ہوئے۔ جن والدین نے اپنی اولادوں کی خاطر قاری صاحب کی تذلیل کی تھی۔ ان کی اولادوں نے انہیں مارا پیٹا۔ پوار خاندان نااتفاقی کا شکار ہوا۔ اب وہ لوگ قاری صاحب کے پاس دوبارہ آتے ہیں تو قاری صاحب کا برتاؤ پہلے کی طرح کا ہوتا ہے۔ کبھی بھی انہوں نے شرمسار نہیں کیا۔ کبھی بھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائے۔ یقیناً یہی ہمارے دین عظیم کا خُلق اور اسلاف کی میراث ہے جس کے سبب دنیا بھر میں اسلام کا نور پھیلا اور کفر کے اندھیروں میں بھٹکنے والوں نے اپنے قلوب کو ایمان کی کرنوں سے منور کیا۔

<u>استفادہ</u>

۱۔ میر سید عزیز الحسن
۲۔ سید خالد عمران
۳۔ سید سلیم الحسن
۴۔ سید محمد ازہر
۵۔ راؤ محمد عمران •

Marfat.com

حضرت حکیم حسن محمد

اگر آپ فرید گیٹ سے شہر کے اندر داخل ہوں گے تو دائیں جانب پچیس تیس دکانیں چھوڑ کر ایک دکان ایسی نظر آئے گی جس پر ''شمسی دواخانہ'' کا درمیانہ سا بورڈ آویزاں ہوگا۔ اس کے فرش پر ملگجے سے کپڑوں میں سفید ریش بزرگ بیٹھے نظر آئیں گے۔ جن کے آس پاس بچے اور بچیاں بیٹھے قرآن کریم کی تعلیم لے رہے ہوں گے اور یہ بزرگ ہر ایک کو سبق دے رہے ہوں گے۔ دکان کے قریب سے گزرنے والے لوگ ان بزرگ کو ''چاچا جی اسلام علیکم'' کہہ کر اپنے فرض منصبی کی ادائیگی سمجھ رہے ہوں گے۔ جبکہ یہ بزرگ ہر ایک کو نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیتے نظر آئیں گے۔ یہ بزرگ جن کا نام حکیم حسن محمد ہے اور ''چاچا جی'' کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کا یہ لقب کیسے پڑا اسکی داستان بھی دلچسپ ہے۔

حسن محمد صاحب اوائل عمری میں اپنے شہر کی جامع مسجد میں تعلیم اور خدمات دینی کے سلسلہ میں مقیم تھے کہ ان کے ہم عمر انہیں چھیڑنے کے لئے چاچا جی کہتے تھے۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ ان کی یہی ''چڑ'' ان کے لئے اعزاز اور شناخت بن جائے گی۔ آج ہر شخص حکیم حسن صاحب کے لئے یہ لفظ ادا کرتا ہے تو اس میں عقیدت و احترام کے سمندر چھپے ہوتے ہیں۔ اب یہ بزرگ ان الفاظ پر نہایت مطمئن و مسرور نظر آتے ہیں۔

Marfat.com

چاچاجی روپڑ کے ایک قصبہ منصوحہ میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں چونکہ تاریخ و سن لکھنے کا رواج نہیں تھا بس اندازے سے عمروں کا تعین کیا جاتا تھا۔ مختلف تاریخی واقعات کی روشنی میں چاچاجی اپنی عمر اس وقت سو سے متجاوز بتاتے ہیں۔

قرآن کریم کی تعلیم کے بعد سرسار ضلع حصار کے سرکاری سکول میں داخلہ لیا۔ یہ سکول مڈل تک تھا للہذا چاچاجی نے بھی مڈل تک ہی تعلیم پائی۔ ہندی، فارسی سیکھی۔ پھر آپ سیاحت کے لئے نکل گئے۔ ہندوستان کے مختلف شہروں کی خاک چھانی۔ اس دوران ہندو ویدوں سے طب ویدک سیکھی۔ 1918ء اور 1920ء کے دوران حکیم اجمل خان کے لائق ترین شاگرد حکیم عبدالقادر سے ضلع میانوالی میں طب یونانی کی تعلیم حاصل کی۔ پھر اسی میدان میں آٹھ سال تحقیق و جستجو میں مگن رہے نتیجۃً طب یونانی میں درک حاصل کر لیا۔ 1928ء میں فقیر والی ہارون آباد آگئے جہاں زمینداری شروع کردی۔ اس دوران انہوں نے سکھوں کی سب سے مقدس کتاب گرنتھ کا مطالعہ بھی کیا۔ اور سکھ مذہب کے عقائد سے آشنائی حاصل کی۔ پھر ان کا قیام بہاولپور میں ہو گیا۔

ریاست بہاولپور کی ہائی کوٹ نے دنیا بھر میں سب سے پہلے قادیانیوں کو کافر قرار دیا۔ اس کیس کے مناظر انہوں نے خود دیکھے عدالتی کارروائی کی روداد انہیں ابھی تک یاد ہے۔

1947ء میں جب ملک تقسیم ہوا۔ ہر طرف خونریزی ہوئی تو وطن سے بلاوا آگیا کہ وقت جہاد ہے آجاؤ۔ یہ گئے۔ مسلمانوں کے پاس تھا ہی کیا۔ وہ تو اپنا دفاع بھی بمشکل کر پاتے تھے۔ جب حالات ناگزیر ہو گئے تو خاندان کے ہمراہ ہجرت کی۔ روپڑ سے کرالی کیمپ میں آگئے جو دس میل لمبا کیمپ تھا ہر طرف تباہ حال انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا تھا۔ اس کیمپ میں سکھوں نے جو آفتیں ڈھائیں وہ لرزہ خیز ہیں۔ پانی میں نیلا تھوتھا ملا دیا۔ اور خوراک میں کانچ ملا دیا جاتا۔ چاچاجی نے اپنی اس داستان کو ایک چھوٹی سی ڈائری میں رقم کیا ہے جو روزنامہ "دستور" کے مدیر اور چاچاجی کے معتقد ممتاز زمان بغرض اشاعت

Marfat.com

لے گئے تھے۔

بہر حال چاچاجی 1947ء میں دوبارہ بہاولپور مہاجر ہو کر آئے۔ اور اپنی موجودہ دکان کی بالائی منزل پر قیام کیا۔ انہوں نے کسی قسم کا کلیم نہیں بھرا فقر و مستی کے تو عادی تھے ہی۔ اسی زندگی کو دوبارہ شروع کر دیا۔

چاچاجی نے بڑے بڑے علماء و صالحین سے فیض حاصل کیا ہے۔ وہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاسؒ اور پیر حاجی عبدالمعبودؒ جیسے بزرگوں سے فیضیاب ہوئے۔ مؤخر الذکر بزرگ نے 173 سال عمر پائی، 80 سے زائد حج کیے۔ یزمان میں مدفون ہیں۔

چاچاجی حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے بیعت ہیں۔ اس کا قصہ کچھ یوں ہے کہ 1962ء میں اپنے ایک ہمنشیں امان اللہ مگسی کے ہمراہ لاہور جانے لگے تو ایک ولی اللہ اور اپنے عہد کے بہت بڑے فقیہہ حضرت مولانا محمد صادقؒ نے انہیں مشورہ دیا کہ تم لاہور جا رہے ہو تو حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے ضرور ملو۔ ہو سکے تو بیعت کر لو۔ امان اللہ نے کہا کہ میں تو نہیں کروں گا کیونکہ وہ ڈاڑھی رکھنے کی شرط عاید کر دیں گے جو کہ فی الحال مجھ سے نہیں ہو سکے گی۔ البتہ حسن محمد صاحب کر لیں گے۔ جب یہ لوگ لاہور میں مغرب کے بعد حضرت لاہوریؒ کے پاس مسجد میں پہنچے تو وہ درس دے رہے تھے سخت غصہ میں تھے لاہوریوں کو برا بھلا کہہ رہے تھے کہ "میں 40 سال سے کہہ رہا ہوں اس طرف آؤ۔ قرآن پڑھو۔ لیکن تم اور تمہارے بیوی بچے قرآن نہیں پڑھتے۔ تھیٹر دیکھتے ہو۔ خود کو لہو و لعب میں مشغول کر لیا ہے۔ فسق و فجور میں مبتلا کر لیا ہے..............." تقریر کے بعد ملنے ملانے اور بیعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ نمبر آنے پر مولانا لاہوریؒ نے امان اللہ کی جانب دیکھا اور پوچھا "کیا چاہتے ہو؟"

"شرف نیاز حاصل کرنے آیا ہوں"

"دعا کرانے آئے ہو تو مانگتے ہیں"

Marfat.com

دعا کے بعد حضرت لاہوریؒ حکیم حسن کی جانب متوجہ ہوئے ان سے کہا کہ آپ تو بیعت ضرور کریں۔ بیعت ہو گئی۔ انہوں نے حکیم صاحب کو ایک وظیفہ بتایا جو دو یا تین مہینے جاری رکھنا تھا اور کہا ”جب آؤ گے تو تمہارا امتحان لوں گا۔“ حکیم صاحب یعنی چاچا جی نے کہا میں دوبارہ لاہور نہیں آسکتا کیونکہ میرے پاس اتنی رقم نہیں ہوتی کہ لاہور کا کرایہ ادا کر سکوں۔ حضرت لاہوریؒ نے کہا ”تمہیں آنا پڑے گا میں تمہارا امتحان لوں گا“۔

یہ لوگ بہاولپور آگئے۔ ادھر معینہ مدت ختم ہونے لگی تو حضرت مولانا محمد صادقؒ کو سلسلہ میں لاہور جانا پڑا وہ اپنے ساتھ کسی کو لے جانا چاہتے تھے۔ احباب نے کہا کہ حسن صاحب کو ساتھ لے جائیں ان کے وظیفے کی مدت ختم ہو رہی ہے۔ ان کا جانا بہت ضروری ہے۔ مولانا صادق صاحبؒ حسن محمد صاحب کو ہمراہ لے گئے۔ جب یہ حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا ”تم تو کہتے تھے کہ میں نہیں آؤں گا۔ اب کیسے آگئے ؟“ بہر حال حضرت لاہوریؒ جیسے قلندر کی دوربین نگاہوں نے بہاولپور کے اس درویش میں کچھ نہ کچھ دیکھ کر اپنے حلقہ بیعت میں لیا۔ اور خصوصی توجہ فرمائی۔

چاچا جی کی دکان درویشوں کا ڈیرہ ہے۔ ان کے پاس فورٹ عباس کے ایک بزرگ کفایت اللہ شاہ صاحب آتے تھے۔ اور بہاولپور کے ایک ولی اللہ اور اپنے عہد کے نامور فقیہہ پروفیسر مولانا محمد شاکرؒ تقریباً روزانہ تشریف لاتے تھے۔ وہ حسن محمد صاحب کے پاس گڑ کی چائے پینے آتے تھے فرماتے تھے ”جو چائے تم بناتے ہو اسکا مزہ کہیں اور نہیں ملتا“

چاچا جی نے قرآن پاک کی تدریس کا سلسلہ قیام پاکستان کے بعد شروع کیا۔ اب تک ہزاروں بچے اور بچیاں ان سے قرآن پاک کی تعلیم لے چکے ہیں۔ ان کے بے شمار شاگرد اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز ہیں۔ ان کے شاگردوں میں جنات بھی شامل ہیں۔ اب تک 12 سے 15 تک کے درمیان جنات ان سے قرآن پاک پڑھ چکے ہیں۔ چاچا جی کہتے ہیں کہ ”جنات انسانوں سے زیادہ ادب کرتے ہیں وہ انسانی شکل میں ہی پڑھتے ہیں“ چاچا جی کو معلوم نہیں ہوتا وہ کون ہیں۔ جاتے ہوئے وہ اپنا تعارف کراتے ہیں۔ ان کے جن شاگرد کبھی کبھار آکر

Marfat.com

ان کے پاس محفل میں بیٹھ جاتے ہیں جب یہ ان سے پوچھتے ہیں کہ کس سلسلہ میں آئے ہو تو وہ بتاتے ہیں کہ میں فلاں وقت میں آپ کا شاگرد رہا تھا اور میرا نام یہ ہے پھر چاچا جی پہچان جاتے ہیں۔

بیرم خان ایڈووکیٹ کے کسی عزیز پر ہوائی اثر ہو گیا جب وہ اسے عامل کے پاس لے گئے عامل کے دریافت کرنے پر جن نے اپنا نام بتایا اور کہا میں چاچا جی کا شاگرد ہوں۔ متاثرین چاچا جی کے پاس آئے۔ چاچا جی کی ہدایت پر وہ جن متاثرہ شخص سے الگ ہوا۔

چاچا جی فی سبیل اللہ قرآن کریم کی تدریس کرتے ہیں۔ کبھی کسی سے پیسہ تو درکنار کوئی چیز بھی نہیں لی۔ بچوں کو اپنے پاس سے ہی قاعدے سپارے وغیرہ دیتے ہیں۔ بچے ان کی چیزیں کھا جاتے ہیں اور یہ بھی انہیں کھلا کر خوش ہوتے ہیں۔ بہت سے معاشی بدحال لوگ اپنے بچے ان کے پاس چھوڑ جاتے ہیں جن کے قیام و طعام کا ذمہ یہ خود لیتے ہیں۔

چاچا جی کا ذریعہ روزگار حکمت ہے۔ وہ مختلف ادویات تیار کرتے ہیں اور فروخت کرتے ہیں۔ ان کی بنائی ہوئی ادویات معیار کی ضامن ہوتی ہیں۔ اسلئے ان کا دواخانہ نہایت قابل اعتماد تصور کیا جاتا ہے۔ دور دراز کے لوگ آنکھیں بند کر کے ادویات لے جاتے ہیں۔ یہاں خالص شہد بھی دستیاب ہوتا ہے جو چاچا جی فن طب میں اپنی مہارت کے سبب جانچ پرکھ کر لوگوں سے حاصل کرتے ہیں۔ چاچا جی ضعیفی کے سبب آجکل ادویات خود تیار نہیں کرتے لیکن اپنی نگرانی میں بنواتے ہیں جو کہ اوروں سے بدرجہا بہتر ہوتی ہیں۔

چاچا جی بہتریں معالج ہیں۔ ان کے قریبی ساتھی و معتقد محمد بوٹا کے مطابق جنسی بیماریوں سے متعلق ادویات کا گہرا ادراک رکھتے ہیں۔ کسی زمانے میں انہوں نے نہایت کامیاب علاج بھی کئے لیکن اب اس خوف سے دوا دینے سے کتراتے ہیں کہ کہیں اسکا غلط استعمال نہ ہو اور اسکے گناہ میں بالواسطہ طور پر یہ بھی شریک نہ ہو جائیں۔ یہ بات چاچا جی کی حد درجہ احتیاط کی عکاسی کرتی ہے۔

چاچا جی نے تجرد کی زندگی گزاری۔ ان کے قریبی ساتھیوں کے مطابق اسکی

Marfat.com

وجوہات میں ایک تو ان کی تنگدستی ہے، انہیں پیسہ بنانے کا فن نہیں آتا یا یوں کہیے کہ وہ پیسے کے پیچھے نہیں بھاگتے۔ دوسری وجہ والدہ سے غیر معمولی محبت ہے۔ جب تک وہ حیات رہیں ان کی دیکھ بھال نہایت حساسیت کے ساتھ کرتے تھے۔ وہ گھر کے تمام کام خود کرتے ہیں۔ جس کے سبب وہ غیر معمولی مصروف رہتے ہیں۔ اسکے علاوہ زیادہ اہم بات یہ کہ وہ چونکہ والدہ کی ہر بات کو اہمیت دیتے تھے۔ ان کی والدہ نے ان کے بھائی کو ان کے سپرد کیا۔ یہ اپنی والدہ کے حکم کی تعمیل آج تک کر رہے ہیں۔ ساری عمر بھائی کی خدمت کی آج ان کے بچوں کی خدمت کر رہے ہیں۔ اس طرح وہ ایک بڑے کنبہ کے کفیل ہیں۔

چاچاجی جفاکش و قناعت پسند ہیں۔ وہ زر پرستی کے سخت خلاف ہیں کیونکہ یہ انسان کو دین سے دور لے جاتی ہے۔ وہ صبح کو ناشتہ کے بعد سے شام کھانے تک کچھ نہیں کھاتے۔ کہیں سے کوئی چیز آجائے اسکا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ کھانے کے معاملے میں بھی قانع ہیں۔ جو مل جائے کھالیتے ہیں۔ چٹنی روٹی ہے تو ٹھیک ہے۔ اگر یہ بھی نہیں تو کوئی حرج نہیں۔

چاچاجی رزق حلال کو اولیت دیتے ہیں وہ تمام عمر اسی پر سختی سے کاربند رہے۔ وہ اتنے محتاط ہیں کہ کبھی کسی کے گھر نہ کھانے جاتے ہیں اور نہ آیا ہوا کھاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آج ہر چیز میں بنکوں کا سود شامل ہے۔ لوگ حلال و حرام میں تمیز نہیں کر پا رہے۔

چاچاجی کی قناعت پسندی اور رزق حلال کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک بار مولانا محمد شاکرؒ نے چاچاجی اور امان اللہ مگسی کو ایک وظیفہ دیا جس کے پڑھنے سے بوقت ضرورت پیسے آتے تھے۔ امان اللہ مگسی نے ایک دو بار اشد ضرورت کے وقت اسے استعمال کیا تو انہیں مطلوبہ رقم مل گئی۔ اس بات کا تذکرہ جب انہوں نے مولانا شاکرؒ سے کیا تو انہوں نے کہا بہتر ہے کہ اس وظیفے کو استعمال میں نہ لایا کرو کیونکہ حصول رزق کا یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے۔ امان اللہ نے اس سلسلہ کو ترک کر دیا۔ لیکن چاچاجی اس وظیفہ کو کبھی بھی بروئے کار

Marfat.com

نہ لائے۔

برسوں بیت گئے۔ مولانا شاکرؒ کے بھتیجے مولانا محمد معاذ مرحوم نے امان اللہ مگسی سے کہا "ہمارے خاندان کی ایک امانت آپ کے پاس ہے وہ ہمیں واپس کر دیں یعنی مولانا شاکر کا بتایا ہوا وظیفہ ہمیں دے دیں۔" امان اللہ مگسی نے وہ وظیفہ دے دیا۔ جب یہ بات چاچاجی کے علم میں آئی تو وہ امان اللہ پر خفا ہوئے کہا "تمہیں وظیفہ دینے کا کیا اختیار تھا۔ جب مولانا شاکرؒ نے اس کے استعمال سے تمہیں منع کر دیا تھا پھر تم کس طرح اسے منتقل کر سکتے تھے۔ اگر ایسا کرنا ٹھیک ہوتا تو مولانا شاکر خود اپنی اولاد میں کسی کو دے دیتے۔ جب انہوں نے نہیں دیا تو تم کون ہوتے ہو دینے والے.......... یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔"

چاچاجی انسان پر ہونے والے ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب ان کے قواع جسمانی بہت مضبوط تھے۔ وہ یزمان سے بس میں آرہے تھے کہ راستے میں بس ڈرائیور کو اسکی غلطی کے سبب فوجیوں نے سخت زدوکوب کیا۔ چاچاجی اس ظلم پر سخت بپھرے ہوئے تھے۔ آتے ہی مولانا شاکرؒ سے گلہ کیا اور کہا کہ ان کے خلاف اپنے رد عمل کا اظہار کرنا چاہیے۔ کیونکہ ڈرائیور پر تشدد اسکی غلطی سے کہیں زیادہ ہے۔ مولانا نے انہیں کسی قسم کی کارروائی سے روکا لیکن ان میں موجزن تلاطم کو قرار نہ آیا۔ تو مولانا نے پوچھا "تم کیا چاہتے ہو۔" انہوں نے کہا "میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ فوجی آکر اس ڈرائیور سے اپنی زیادتی کی معافی مانگیں۔" مولانا شاکر نے کہا "ٹھیک ہے۔"

اب یہ لوگ بس سٹینڈ کی طرف روانہ ہوئے، اس زمانے میں یزمان بس سٹینڈ فرید گیٹ کے باہر واقع موجودہ پٹرول پمپ کے مقام پر تھا۔ یہ لوگ پہنچتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ فوجی جیپ کھڑی ہے۔ فوجی، ڈرائیور سے معافی مانگ رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر چاچاجی نے فوراً کہا مولانا بتائیں اس شہر کا روحانی حکمران کون ہے۔ انہوں نے کہا بس خاموش رہو۔ جو تم چاہتے ہو وہ ہو گیا۔

چاچاجی کے پاس جو سائل آتا ہے وہ بامراد لوٹتا ہے آپ فرماتے ہیں کہ یہ حکم ہے

Marfat.com

کہ سائل کو نہ دیکھو، اسے دے دو، اسے جھڑ کو مت۔ بلکہ اسکا سوال پورا کرو۔

چاچاجی کے پاس آنے والوں میں کئی مجذوب بھی ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مجنوں اور مجذوب میں فرق ہے۔ مجذوب ہر جگہ ہوتے ہیں کچھ سیاح ہوتے ہیں، کچھ سیلانی ہوتے ہیں اور کچھ مقامی۔ چاچاجی کے قرب کے لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ مجذوب کی شناخت کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کے پاس بہت سے ایسے مانگنے والے بھی آتے ہیں جو مانگنے والے لگتے نہیں۔ کوئی شخص آتا ہے۔ اسکے ہاتھ میں گٹھڑی ہوتی ہے۔ ان سے مانگتا ہے۔ سب کو نظر انداز کرتا ہے۔ مراد پاکر چلا جاتا ہے۔ چاچاجی فقرا کے بارے میں کہتے ہیں "یہ ہم سے اچھے ہیں۔ بہت سے ایسے گناہ جو ہم دن رات ڈھٹائی کے ساتھ کرتے ہیں یہ ان سے بچے رہتے ہیں۔"

چاچاجی ملکی سیاست سے بیزار ہیں انہوں نے عملی طور پر کسی قسم کی تحریک میں حصہ نہیں لیا۔ البتہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے لئے چندہ و کھالیں اپنی دکان پر ہی اکٹھی کرتے ہیں۔ وہ گرچہ سیاست میں حصہ نہیں لیتے لیکن حالات حاضرہ سے آگہی کے لئے اخبارات و رسائل کا مطالعہ ضرور کرتے ہیں۔

چاچاجی کا جسم کبھی کسرتی ضرور رہا ہوگا۔ اب نحیف و نزار تو نہیں تاہم اکہرا جسم اور درمیانہ قد ہے۔ صحت ماشاء اللہ اچھی ہے۔ دیکھنے کے لئے چشمے کے محتاج نہیں۔ الحمدللہ ہر قسم کی بیماری سے محفوظ ہیں۔ وہ سادہ لباس پہنتے ہیں۔ کرتا تہمد یا کرتا دھاری دار پاجامہ۔ وہ کہیں آتے جاتے نہیں۔ صبح سے رات تک اپنی مدرسہ نما دکان میں رہتے ہیں صرف جمعتہ المبارک کی نماز کے لئے جامع مسجد الصادق جاتے ہیں۔ اور بڑے اہتمام کے ساتھ۔

چاچاجی خوش مزاج ہیں۔ ان کی گفتگو ریاکاری سے پاک نظر آئے گی۔ ان کا چہرہ شگفتہ و شاداب ہے کسی زمانے میں ان کی رنگت یقیناً سفید رہی ہوگی جو اب کسی قدر میلی لیکن سرخی مائل ہے۔ وہ گفتگو میں تبسم بکھیرتے نظر آئیں گے۔ ان کی گفتگو قرآن و حدیث

Marfat.com

کے حوالوں سے مزین ہوتی ہے۔ وہ چوہان راجپوت ہیں جسکا عکس ان کی شخصیت میں واضح جھلکتا ہے۔

چاچاجی کو سیر و سیاحت کا شوق بچپن سے ہی رہا ہے انہوں نے بر صغیر کے بے شمار شہر دیکھے وہ کہتے ہیں کہ "قرآن ہمیں زمین کی سیر اور فکر کی دعوت دیتا ہے۔"

معروف ترقی پسند شاعر ظہور نظر چاچاجی کے ہمسایہ تھے۔ وہ چاچاجی کی عزت کرتے تھے آتے جاتے سلام دعا کرتے۔ ان کے انتقال کے وقت کسی نے ان کے قادیانی ہونے کا قضیہ اٹھایا لیکن چاچاجی نے ظہور نظر کے مسلمان ہونے کی تصدیق کی اس کے جواز میں انہوں نے ظہور نظر کی اس نعت کے اشعار پڑھے کہ جس میں آپ ﷺ کے ختم المرسلینؐ ہونے کا واضح اعتراف کیا گیا تھا اس نعت کا عنوان ہی "ختم الرسلؐ" ہے۔ علماء کا ایک وفد چاچاجی سے ملا۔ تو انہوں نے یہ ثبوت دے کر ان کے مسلمان ہونے کا اقرار کیا۔ اور کہا کہ اگر وہ نماز نہیں پڑھتا تھا یا کوئی اور گناہ کرتا تھا تو یہ اسکا اور اللہ کا معاملہ ہے۔ کوئی شخص خواہ کتنے ہی سنگین گناہ کا مرتکب ہوا ہو، اسے غیر مسلم قرار نہیں دینا چاہیئے۔ بہر حال چاچاجی کی تصدیق کے بعد یہ فتنہ ختم ہوا۔

چاچاجی فرماتے ہیں "دین پر قائم رہو۔ برائی سے روکو۔ بھلائی کو پھیلاؤ۔ کار خیر کرتے رہو۔" بقول ان کے آج خیر کے کاموں کی طرف توجہ ختم ہو گئی ہے اس لئے نفسا نفسی ہے اور روزی تنگ ہو گئی ہے۔ چاچاجی یہ بھی فرماتے ہیں کہ کافر کو کبھی بھی دوست نہ سمجھو یہ قرآن کا حکم ہے جو اٹل ہے اسلئے کفار سے پینگیں بڑھانے سے گریز کرنا چاہیئے۔

چاچاجی کی روشن آنکھیں اپنے اندر پوری صدی کی تاریخ سموئے ہوئے ہیں۔ وہ علماء، فقہا، اولیاء اور صالحین کی صحبت بابرکت میں رہ کر خود بھی کندن بن گئے ہیں۔ اور آج کل کے ناخالص دور میں ایسے صاف شفاف اور مصفیٰ لوگوں کا دم غنیمت ہے۔ جتنا ممکن ہو سکے اس بہتی گنگا سے ہاتھ دھو لئے جائیں بہتر ہے۔

Marfat.com

اُجلے مَن کے لوگ ______ خطۂ بہاولپور کے اہل اللہ پر لکھے گئے تیرہ مضامین کا مجموعہ ہے ______ یوں تو اس خطے کے صوفیائے کرام اور علمائے عظام پر کئی کتابیں اور متعدد مضامین لکھے گئے لیکن اس کتاب کی انفرادیت یہ ہے کہ اس میں جن دینی اور روحانی بزرگوں کا تذکرہ ہے ان پر آج تک کسی نے قلم نہیں اٹھایا اور وہ خود بھی ذاتی تشہیر سے مکمل احتراز کرتے رہے ہیں۔

اس تصنیف کو دینی تاریخ اور روحانیت سے دلچسپی رکھنے والے قارئین یقیناً ایک مفید، اہم اور معتبر حیثیت کا حامل پائیں گے۔

پروفیسر قدرت اللہ شہزاد خاکہ نگار، محقق اور نقاد ہیں۔ اردو ادب کے استاد ہیں اور صادق پبلک سکول بہاولپور سے وابستہ ہیں۔

اس سے قبل ان کے خاکوں کا مجموعہ "جلتے بجھتے سورج" سنجیدہ قارئین میں پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔

ان کی دو کتابیں (تنقیدی مضامین کا مجموعہ اور شہاب دہلوی کی غزل گوئی کا تنقیدی و تحقیقی مطالعہ) زیر طبع ہیں۔

خالدہ رفعت

(ناشر)